

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبان علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

• واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجویٹس کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہیں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے۔

• یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون جولائی اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کا حجم کم کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا۔

سیشن 02-2001ء کے داخلے کا شیڈول ان شاء اللہ حسب ذیل ہوگا:

• داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست 2001ء ہے۔

• داخلہ کے لئے انٹرویو 31 اگست 2001ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جاسکے گا)

• کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر 2001ء سے ہو جائے گا۔ پہلے روز تعارفی نوعیت کی کلاس ہوگی باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 3 ستمبر 2001ء سے ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپیکٹس
جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل،
طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36- کے ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: 03-4869591)

وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)
ترجمہ: اور اپنے پروردگار کے فضل کو یاد رکھو جس نے تم سے لیا جبکہ تم نے قرآن کیا کہ تم نے سنا اور اطاعت کی

میثاق

ماہنامہ

لاہور

مدیر منسلک
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۵۰
شمارہ: ۹
جمادی الثانی: ۱۳۲۲ھ
ستمبر: ۲۰۰۱ء
فی شمارہ: ۱۰ روپے
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ روپے
اس شمارے کی قیمت: ۱۶ روپے

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- ☆ امریکہ: کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)
- ☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)
- بھارت: بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان
- ☆ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ادارہ تحریر

حافظ عارف سعید
حافظ خالد محمود خضر

فصل ۱۰: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور



مقام اشاعت: 36- کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 5869501-02-03
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67- گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- ۳ _____ عرض احوال ❁
- حافظ عاکف سعید
- ۷ _____ **تذکرہ و تبصرہ** ❁
- ۷ _____ ❁ مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری غلطیاں اور اس کا واحد قابل عمل حل
(۱۳ جولائی کا خطاب جمعہ)
- ۴۳ _____ ❁ پاک بھارت تعلقات (۲۰ جولائی کا خطاب جمعہ)
- ۶۸ _____ ❁ بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا تائیدی مراسلہ
- ۷۰ _____ ❁ ”اینڈورا“ کی تحقیق
- ۷۱ _____ ❁ بیان پریس کانفرنس منعقدہ ۱۰ اگست ۲۰۰۱ء _____
- ۷۷ _____ ❁ بعض سوالات کے جوابات
- ۷۸ _____ ❁ پاک بھارت تعلقات، قائد اعظم کی نگاہ میں
- ۷۹ _____ **قند مکرر** ❁
- ۸۰ _____ ❁ پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش (میثاق، جولائی ۱۹۴۷ء)
- ۹۹ _____ ❁ پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل (” “)
- ۱۰۳ _____ ❁ بیان پریس کانفرنس (۲۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء)
- _____ ❁ مسئلہ کشمیر: تقسیم ہند کا مکمل ایجنڈا (۳ فروری ۲۰۰۰ء کا بیان)
- ۱۰۵ _____ **ضمیمہ** ❁
- _____ ❁ مسئلہ کشمیر کے ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کا تاریخی انٹرویو
(شائع شدہ: روزنامہ ”تسنیم“ ۱۱ اگست ۱۹۷۸ء)

عرض احوال

زیر نظر شمارہ جو ماہ اگست ستمبر کا مشترک شمارہ ہے، مسئلہ کشمیر اور پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ایک خصوصی اشاعت کا درجہ رکھتا ہے۔ گزشتہ ماہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے دورہ بھارت کے نتیجے میں کشمیر کا مسئلہ ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ اجاگر ہوا۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسئلہ کشمیر گزشتہ ۵۴ برسوں سے اس خطے میں قیام امن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ اور پاک بھارت تعلقات میں شدید نوعیت کی کشیدگی کا باعث بنا ہوا ہے۔ بھارت اور پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے کے بعد پوری دنیا خائف ہے کہ کہیں یہ کشیدگی بڑھ کر ایٹمی جنگ کی صورت اختیار نہ کر لے جو انسانیت کے لئے انتہائی مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

مسئلہ کشمیر کی حساسیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان اسے اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے جبکہ بھارت جس نے کشمیر کے ایک بڑے رقبے پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، اسے اپنا ”اٹوٹ انگ“ گردانتا ہے۔ چنانچہ دونوں ملکوں کے عوام بھی اس حوالے سے شدید جذبات و احساسات رکھتے ہیں اور مفاہمت کے مقابلے میں کسی آخری فیصلہ کن مرحلے کو زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ تاہم دونوں ملکوں کے سوچنے سمجھنے والے طبقات میں کہ جو معاملات پر جذباتی انداز میں نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ انداز میں غور کرنے کے عادی ہوتے ہیں، یہ شعور بڑھ رہا ہے کہ اس تنازعے کو باہم افہام و تفہیم کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی جائے اور ”کچھ لو، کچھ دو“ کے اصول پر معاملات طے کر لئے جائیں۔ ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہم خواہ لاکھ دویا کریں کہ بھارت مسئلہ کشمیر کے ضمن میں یو این کی قراردادوں کو پامال کرنے میں تمام حدود پھلانگ چکا ہے اور شدید ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہا ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ اس سب کے باوجود بھارت آج امریکہ اور یو این کا منظور نظر اور چھپتا ملک ہے اور سلامتی کونسل میں اس کی شمولیت کے لئے راہ ہموار کی جا رہی ہے جبکہ ہم تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ عالمی طاقتوں کا تمام نزلہ پاکستان پر ہی گرتا ہے اور ہمارے اندر بھی دین سے غداری اور بے وفائی کے باعث آج اتنا دم خم نہیں ہے کہ ہم اپنی شہ رگ کو دشمن کے شکنجے سے چھڑانے کی خاطر کھل کر بھارت کو چیلنج کر سکیں۔

امیر تنظیم اسلامی مسئلہ کشمیر کے حل اور پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے جو مخصوص نقطہ نظر رکھتے ہیں وہ نہایت حقیقت پسندانہ ہے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان

کی رائے عوامی جذبات سے ہم آہنگی نہیں رکھتی بلکہ خاصی متصادم اور مختلف ہے، انہوں نے اپنی رائے کے اظہار میں کبھی باک محسوس نہیں کیا۔ ۱۹۹۳ء میں اپنے اخباری مضامین میں وہ اپنی رائے کا کھل کر اظہار کر چکے ہیں۔ پھر اکتوبر ۱۹۹۵ء میں انہوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں اپنا موقف ایک پریس کانفرنس میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۲۰۰۰ء میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب جمعہ میں ایک بار پھر اپنے موقف کا اعادہ کیا جو ”ندائے خلافت“ کے علاوہ قومی اخبارات میں بھی شائع ہوا۔

گزشتہ ماہ صدر پرویز مشرف کے دورہ بھارت سے قبل ۱۰ جولائی کو امیر تنظیم اسلامی نے پریس کلب لاہور میں ”مسئلہ کشمیر کا قابل عمل حل اور پاک بھارت تعلقات“ کے موضوع پر پریس کانفرنس منعقد کی اور صحافیوں کے نہایت تیز و تند سوالات کے دو ٹوک جوابات دیئے۔ اس پریس کانفرنس کے حوالے سے اخبارات میں مخالفانہ بیانات کا زور ہوا جو درحقیقت پریس کانفرنس کی غیر مناسب اخباری رپورٹنگ کے باعث پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ امیر تنظیم نے ۱۳ جولائی کے خطاب جمعہ میں اپنے موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا اور اس حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ ۲۰ جولائی کے خطاب جمعہ میں بھی پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے خصوصی گفتگو ہوئی جس کے ذریعے سے موضوع زیر بحث کے بارے میں امیر تنظیم کے نقطہ نظر کے قریباً تمام گوشے پوری وضاحت کے ساتھ سامعین کے سامنے روشن ہو گئے۔

زیر نظر شمارے میں امیر تنظیم اسلامی کے مذکورہ بالا دونوں خطابات جمعہ اور حالیہ پریس کانفرنس کے علاوہ موضوع زیر بحث کے حوالے سے تمام سابقہ تحریریں اور بیانات بھی شائع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تائید میں بھارت کی مشہور سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا خط بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ مزید برآں مسئلہ کشمیر کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے موقف کی وضاحت پر مشتمل مولانا مرحوم کے ایک مفصل انٹرویو کے اہم اقتباسات بھی شامل اشاعت کر دیئے گئے ہیں۔ یوں یہ ”اشاعت خصوصی“ اپنے موضوع پر ایک دستاویز کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

”عالمی نظام خلافت امارت اسلامی افغانستان اور مسلمانان پاکستان“

امیر تنظیم اسلامی کے ۳ اگست کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز



پاکستان اور افغانستان کے حالات میں بعض بنیادی نوعیت کے فرق و تفاوت کے باعث یہاں طالبان طرز کے انقلاب کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں اگر اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے تو وہ منہج انقلاب نبوی کے مطابق طریق کار اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے۔

گزشتہ ۲۲ برسوں میں افغانستان میں اولاً کمیونسٹ حکومتوں کی یکے بعد دیگرے تبدیلی بعد ازاں روس کی براہ راست فوج کشی کے خلاف عوامی رد عمل اور پھر روس کے انخلاء کے بعد جہادی تحریکوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ طالبان کی مخلص قیادت کو اس تیزی سے کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں ایک خالص حنفی سنی اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ جبکہ پاکستانی معاشرہ اس اعتبار سے ترقی یافتہ معاشرہ ہے کہ یہاں مضبوط حکومت اور منظم فوج ہی موجود نہیں بلکہ ایک ذہین اور موثر بیوروکریسی موجود ہے۔ تاہم بد قسمتی سے یہاں کی لیڈنگ کلاس جو یہاں تمام اہم شعبوں میں فیصلہ کن اختیارات رکھتی ہے لبرل اور سیکولر سوچ کے افراد پر مشتمل ہے۔ ان کی موجودگی میں یہاں اگر اسلام کے نفاذ کے لئے طالبان طرز کی کوئی تحریک چلی تو اس کا ایک انجام یہ ہو سکتا ہے کہ اسے مکمل طور پر پکھل دیا جائے، ایسی تحریک کا یہ انجام اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے حوالے سے انتہائی مہلک ثابت ہوگا۔ بالفرض اگر اس تحریک کی کامیابی کا پاکستان میں کوئی امکان ہوا بھی تو اسے صرف سرحد اور شمالی بلوچستان کے کچھ حصوں میں پذیرائی حاصل ہوگی جس کا نتیجہ پاکستان کی پختون بیلٹ کے علیحدہ ہو کر افغانستان کا حصہ بن جانے کے سوا کچھ نہ نکلے گا۔ اس قسم کی کسی تحریک کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خلفشار کا خوفناک نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امریکہ کی شہ پر بھارت حملہ کر دے اور پاکستان کا وجود ہی

باقی نہ رہے۔ لہذا ان حالات میں یہ کہنا درست ہوگا کہ منج انقلاب نبویؐ کے سوا کسی اور راستے سے پاکستان میں اسلام نہیں آسکتا۔ حضور اکرم ﷺ کے انقلابی طریق کار کے مطابق ایک منظم جماعت کی صورت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ تاہم اس کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی عن المنکر کی بنیاد پر دینی جماعتوں کا ایک مضبوط اتحاد ایک پریشر گروپ کی صورت میں مطالباتی تحریک کے ذریعے نفاذ شریعت کی جدوجہد کا آغاز کرے تو اس کام میں کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

امیر تنظیم نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی انقلابی کے لئے نبوی منہاج پر کاربند رہتے ہوئے ہمیں طالبان حکومت کے استحکام کے لئے ان کی ہر ممکن مالی و اخلاقی مدد کرنی چاہئے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے پاک افغان سرحد پر مانیٹرنگ ٹیم کی تعیناتی کا فیصلہ انتہائی قابل مذمت ہے۔ اس اقدام کا مقصد طالبان کے گرد باطل کے گھیراؤ کو تنگ سے تنگ تر کرنا ہے۔ پاکستانی حکومت اور عوام کو اس فیصلے کی مخالفت کرنی چاہئے اور اس معاملے میں اقوام متحدہ کے ہر قسم کے دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے تعاون سے انکار کر دینا چاہئے۔ بد قسمتی سے ایران نے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار کیا ہے جو انتہائی افسوسناک ہے۔ حالیہ بلدیاتی انتخابات پر گفتگو کرتے ہوئے امیر تنظیم نے کہا کہ ایک بات واضح ہو گئی ہے کہ انتخابات کے ذریعے سیاسی قیادت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ البتہ جماعت اسلامی کا ان انتخابات میں طرز عمل شدید مایوس کن ہے۔ جماعت اسلامی نے تمام اصول بالائے طاق رکھ کر جوڑ توڑ کی سیاست کی ایک ناگوار مثال قائم کی ہے۔

اسرائیل کے موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر نے کہا کہ انتہا پسند یہودی ہیکل سلیمانی کی تعمیر پر کھل کر سامنے آگئے ہیں اور بے گناہ فلسطینیوں پر ظلم و تشدد کی کارروائیوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ انہیں اپنے معبد کا سنگ بنیاد رکھنے میں کامیابی نہیں ہو سکی تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عرب اسرائیل تنازعہ اب زیادہ پیچیدہ صورت اختیار کرے گا لیکن عالم اسلام فلسطینیوں کے ساتھ محض اظہار ہمدردی کے سوا اور کچھ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری اپنی غلطیاں اور اس کا واحد قابل عمل حل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

﴿وَأَمَّا تَخَأْفَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْخَائِنِينَ ۝﴾ (الانفال: ۵۸)

﴿قَالَ الَّذِينَ يَبْطِئُونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا اللَّهَ كُمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلِبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ

بِأَذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝﴾ (البقرہ: ۲۵۹)

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

(آل عمران: ۱۶۰)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

آپ کے علم میں ہے کہ آج مجھے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو میری ذاتی رائے

ہے اور اس سلسلہ میں پریس میں اور کچھ اخباری بیانات میں جو controversy

شروع ہوئی ہے اس کے ضمن میں وضاحتیں پیش کرنا ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر جنوبی ایشیاء کا ایک ایسا ناسور ہے جس میں

سے پچاس برس سے خون اور پیپ بہ رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت کی ہزاروں انسانی

جانیں اس مسئلے کی بھیجٹ چیز ہ چکی ہیں۔ وہ وسائل کہ جوان دونوں ملکوں کے عوام کی

بہبود میں استعمال ہونے چاہئیں تھے اسلحہ کی دوڑ اور جنگی تیاریوں کی نذر ہوئے اور سب

سے بڑھ کر یہ کہ حال ہی میں جبکہ یہ دونوں ملک ایٹمی طاقت بن گئے ہیں تو اس کا شدید

خطرہ پوری دنیا میں محسوس کیا گیا کہ کسی بھی وقت ایٹمی تصادم کے نتیجے میں بہت بڑی تباہی اور ہلاکت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی انسان دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو اس مسئلے کے حل کی آرزو یا خواہش یا تمنا نہ رکھتا ہو۔ فرق یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی رائے کیا ہے! کوئی کیا چاہتا ہے! کسی کی ترجیحات کیا ہیں! لیکن یہ کہ اس مسئلے کو حل ہونا چاہئے، یہ عوام کی بہبود کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور پورے علاقے کے امن اور سلامتی کے اعتبار سے بھی۔

دوسری بات جو میں کھل کر عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ جہاں تک تقسیم ہند کے اصول اور اس کی روح کا تعلق ہے، اس کی رو سے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ پورے کشمیر پر حق صرف پاکستان کا ہے۔ زیادہ سے زیادہ استثناء اگر ہو سکتا ہے تو صرف لداخ اور جموں کے وہ علاقے کہ جن میں غیر مسلم اکثریت ہوں اور وہ بھارت کے ساتھ ملحق بھی ہوں۔ اگر کوئی غیر مسلم اکثریت کا علاقہ کہیں پاکٹ کی شکل میں ہو تو وہ اس میں شامل نہیں ہوگا۔

غیر مسلم اقلیت ظاہر بات ہے کہ دو طرح کی ہے۔ لداخ میں بدھ مت کے پیروکار اکثریت میں ہیں اور جموں میں کچھ اضلاع کے اندر ہندو اکثریت میں ہیں۔ اور وہ چونکہ بھارت کے ساتھ ملحق ہیں تو زیادہ سے زیادہ استثناء ان کا ہو سکتا تھا، ورنہ ہر اصول کے اعتبار سے باقی پورے کشمیر پر پاکستان کا حق ہے۔ اس لئے کہ تقسیم ہند کا اصول یہی تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم اس طور سے ہو کہ جو مسلم اکثریت کے علاقے ہیں وہ علیحدہ خطے قرار پائیں اور پاکستان بنیں اور جو غیر مسلم اکثریت کے علاقے ہیں وہ ہندوستان میں رہیں۔ جہاں ان کی سرحدیں ملتی ہوں وہاں جو بھی سرحدی adjustment کی ضرورت ہو، کی جائے۔ اگر صوبوں کی تقسیم بھی ہو تو ہو جائے۔ چنانچہ بنگال کی تقسیم ہوئی، پنجاب کی تقسیم ہوئی، یہاں تک کہ ضلعوں کی تقسیم ہوئی۔ اصول یہی طے ہوا تھا کہ جو بھی مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے ساتھ ملحق

ہوں تو ان پر پاکستان کا حق ہے اور جو غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کے ساتھ ملحق ہوں تو وہ بھارت کے ہیں۔ لیکن کشمیر کا مسئلہ اس اصول کے مطابق حل نہیں ہو سکا۔ اس مسئلے کے حل نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں، بھارت کی ہٹ دھرمی، وعدہ خلافی، عیاری اور علاقائی استعمار کی خواہش ہے۔ اپنے حجم کی بنیاد پر اس کے اندر شروع ہی سے یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ اس پورے علاقے پر میری چودھراہٹ قائم ہو اور یہاں پر بھارت کی سرپرستی میں ایک استعمار وجود میں آجائے۔

ہندو قوم میں مسلم دشمنی کی تین سطحیں

بھارت کی یہ جو روش رہی ہے کہ مسلسل وعدہ خلافیاں، دھوکے، اپنی commitments کو توڑنا، ہر وقت قلابازی کھانے کے لئے تیار رہنا، اقوام متحدہ سے جو وعدے کئے ان سے پھر جانا اور اس کے لئے عجیب عجیب بہانے تراش لینا، اصل میں اس کی پشت پر مسلم دشمنی کے جذبات کا فرما ہیں۔

ہندو قوم کے اندر مسلم دشمنی کی تین جہیں ہیں، جن کی ہمیں شناخت کر لینی چاہئے۔ واضح رہے کہ یہ بات کوئی مسئلہ کشمیر ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ پوری ہندو قوم کی نفسیات سے متعلق ہے۔ مسلم دشمنی کی سب سے پہلی سطح، جو سب سے زیادہ بنیادی ہے وہ ہندو کی تنگ نظری، ٹوڈرغرضی اور سیاسی چال بازی ہے۔ خاص طور پر سیاست کے معاملے میں ایک تو یورپ کا میکیاولی تھا، جس نے سیاست میں ہر جھوٹ، دھوکے، فریب، خیانت وعدہ خلافی کو جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیا، اور ایک بھارت کا میکیاولی تھا ”چانکیہ“۔ اس نے بھی اسی طریقے سے ہندوؤں کی گھٹی میں یہ بات ڈالی ہوئی ہے کہ سیاست تو نام ہی دھوکے، جھوٹ اور استحصال کا ہے، گویا جس کی لالچی اس کی بھینس۔ اس میں کسی اصول یا کسی اخلاقی پابندی کا کوئی گز نہیں۔ اپنے پڑوسی کے دشمن رہو اور اس پڑوسی سے آگے جو اس کا پڑوسی ہے اس سے دوستی کرو تا کہ اپنے پڑوسی کو دونوں

طرف سے گھیر سکیں۔ ایک تم اپنی طرف سے اس پر دباؤ ڈالو، دوسرا جو اس کا پڑوسی ہے اس کی طرف سے دباؤ ڈالو۔ یہ اس کے اصول ہیں جو اس نے سکھائے۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے، چند رگبت موریا کے زمانے یعنی زمانہ قبل مسیح کی بات ہے کہ جب سے ہندوؤں کی یہ ذہنیت بنی شروع ہوئی ہے۔

اس پر مزید اضافہ ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کے دوران ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر کہیں چھ سو برس، کہیں آٹھ سو برس، کہیں ہزار برس حکومت کی۔ ظاہر بات ہے اس کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ ویسے بھی یہ صحیح ہے کہ مسلمان حکمرانوں میں بہت اچھے بھی تھے اور بہت برے بھی تھے۔ بہت عادل اور رحم دل بھی تھے اور ظالم بھی۔ پھر یہ کہ محکومی بذات خود ایک رد عمل پیدا کرتی ہے اور حاکم و محکوم کے درمیان ایک نفسیاتی تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں پورے ایک ہزار برس ہندو نے مسلمانوں کی محکومی میں بسر کئے ہیں۔ اور اس کی گہرائی کا اندازہ ہمیں ہو گیا تھا جب ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے موقع پر اندرا گاندھی کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "We have avenged our thousand years defeat." یعنی "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا۔" اب آپ اندازہ کیجئے کہ ہندوستان میں یہ انتہائی لبرل خداندان تھا، یہ کوئی کٹر ہندو خاندان نہیں تھا۔ موتی لعل نہرو بہت لبرل انسان تھا۔ جو اہل لعل نہرو سوشلسٹ تھا، وہ مذہبی ہندو تھا ہی نہیں۔ اندرا گاندھی خود لبرل تھی۔ وہ تو بعد میں جب ایک مرتبہ اس نے مسلم ووٹ کی وجہ سے شکست کھائی ہے تو پھر وہ الیکشن میں ہندو یومی کا لبادہ اوڑھ کر آئی ہے اور اس نے دوبارہ کامیابی حاصل کی ہے، جس سے کہ بھارت میں ہندو فتنہ منگولم کا فروغ شروع ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے وہ سیکولر ذہن کی تھی اور بڑی شستہ اردو بولنے والی۔ موتی لعل نے کہا تھا لوگ مجھ سے میرے مذہب کے بارے میں پوچھتے ہیں، میں کیا بتاؤں کہ میرا مذہب کیا ہے۔ نسلی طور پر میں ہندو ہوں، لسانی اعتبار سے میں مسلمان ہوں، اس لئے کہ میرے گھر میں اردو بولی جاتی

ہے، تہذیبی اعتبار سے میں یورپین ہوں کہ میرے گھر کا سارا رہن سہن یورپین ہے۔ لیکن ایسے خاندان کی ایک عورت کی زبان پر بھی متذکرہ بالا الفاظ آ گئے۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ جو کٹر ہندو تھے — وہ موندے ہوں، سادہ کر ہوں، پٹیل صاحب ہوں — ان کی ذہنیت کیا ہوگی! مع ”قیاس کن زگلستان من بہار مرا!“

مسلم دشمنی کی تیسری سطح انگریزی دور میں پروان چڑھی۔ انگریز نے ہندوستان پر تقریباً دو سو برس حکومت کی۔ یعنی پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) سے اس کی حکومت کا دور شروع ہو جاتا ہے جب بنگال میں اس کی حکومت قائم ہوئی۔ تب انگریز گورنر جنرل آنا شروع ہو گئے تھے۔ تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا غدر کے بعد پورا ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے تحت آ گیا اور انگریز وائسرائے آنا شروع ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں یہ دور ختم ہوا۔ اس ۱۹۰ برس کے دور میں انگریز نے مسلسل ”Divide and Rule“ کی پالیسی اختیار کی تاکہ ہندو مسلم کشیدگی میں اضافہ کیا جائے۔ ”تقسیم کرو اور حکومت کرو“ (Divide and Rule) کنزرویٹو پارٹی کا مہینہ اعلان شدہ اصول تھا۔ اس لئے کہ ہندوستان جیسی وسیع و عریض مملکت کے اوپر حکومت قائم رکھنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا! انہیں اندازہ تھا کہ اگر یہاں کے لوگ ہمیں نکالنے کے لئے متحد ہو جائیں تو ہم کیسے یہاں رہ سکتے ہیں۔ لہذا ان کی دشمنیوں میں اضافہ کروانے کے اندر موجود ایک دوسرے کے خلاف جذبات کو اور زیادہ بھڑکاؤ۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ ایودھیا کی بابری مسجد کا مسئلہ ایک انگریز بد بخت نے اٹھایا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ یہاں پر ایک مندر تھا جس کو گرا کر بابر نے مسجد بنائی تھی، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور پھر انگریزی دور میں انگریز مجسٹریٹس اس مقدمے کو طول دیتے گئے اور مسئلے کو حل نہیں کیا، تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد کی ایک بنیاد موجود رہے۔

مسئلہ کشمیر اور انگریز کی گھناؤنی سازش

مسلم دشمنی کے متذکرہ بالاتین عوامل کے علاوہ تقسیم ہند کے موقع پر اس میں ایک مزید عامل کا اضافہ ہوا اور انگریز نے یہاں سے جاتے جاتے ایک بہت گہری اور گھناؤنی سازش کے ذریعے سے کشمیر کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ یہ مسئلہ کیوں پیدا کیا گیا اس کو ذرا سمجھ لیجئے۔ دیکھئے ہم دو سو برس تک انگریز کے غلام رہے تھے۔ انگریز نے اس ملک کو بری طرح لوٹا تھا۔ ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا جس کی دولت کو انگریز نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ اب اسے یہ اندیشہ ہوا کہ جیسے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کے جذبات موجزن ہیں اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے دلوں میں انگریز کے خلاف انتقام کے جذبات پیدا ہو جائیں گے، کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ سابق حکمرانوں کے خلاف رعایا میں انتقامی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا تدبیر یہ کی گئی کہ جاتے جاتے یہاں ایک ایسا قضیہ اور ایسا جھگڑا کھڑا کر دیا جائے کہ اس کی بنیاد پر یہ دونوں قومیں آپس میں لڑیں اور مریں، جبکہ دونوں ہمارے دوست رہیں۔ یہ بڑی گہری پالیسی تھی جو بہت گہری نفسیات پر مبنی تھی۔ انگریز کا یہ خیال تھا کہ اگر ان میں مفاہمت ہو جائے گی تو پھر یہ دونوں مل کر ایشیا کے اندر ایک بہت بڑی طاقت بن جائیں گے جس کا رخ ہماری طرف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ باقاعدہ ایک بہت بڑی سازش کے تحت انہوں نے کشمیر کا مسئلہ پیدا کیا۔ جبکہ بد قسمتی سے ہمارا معاملہ میر کے اس شعر کا مصداق ہے کہ۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ہم نے یہ سمجھا کہ یہ مسئلہ یہی لوگ حل کرائیں گے حالانکہ یہ خود ان کا پیدا کردہ ہے۔

بہر حال ان سب عوامل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندو نے اور کانگریس نے دو قومی

نظریے کے بارے میں تو بر ملا کہا کہ اسے ہم نے نہ پہلے کبھی تسلیم کیا ہے اور نہ اب تسلیم

کریں گے، ہاں پاکستان کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان کو بھی انہوں نے اس امید میں بلکہ اس یقین پر تسلیم کیا تھا کہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں تحلیل ہو جائے گا۔ ان کے نزدیک یہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا اور اس کے لئے انہوں نے پورا بندوبست کیا۔ چنانچہ ہمارے وسائل اپنے قبضے میں روکے رکھے، ہمارے فنڈز روکے رکھے، ہمارے ہتھیار روکے رکھے۔ یہاں قائد اعظم کے پاس تو مرکزی حکومت کے ملازمین کو تنخواہ دینے کے لئے ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے سیٹھ آدم جی کا کہ انہوں نے بلینک چیک دے دیا تھا کہ آپ جتنی رقم چاہیں لکھ کر اسے کیش کرا لیں۔ تقسیم ہند کے وقت جو حالات پیدا کر دیئے گئے تھے ان کے پیش نظر ہندو کو پورا یقین تھا کہ یہ نوزائیدہ ملک پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی دم توڑ دے گا۔ چنانچہ مسلمانوں سے مشرقی پنجاب جس طرح ہنگامی طور پر خالی کرایا گیا اور یہاں پر مہاجرین کا جس طرح سے ایک طوفان آیا، وہ اسی لئے تھا کہ پاکستان کی معیشت پر اتنا بوجھ پڑ جائے اور انتظامی اعتبار سے حکومت پاکستان پر اتنا دباؤ پڑ جائے کہ وہ مفلوج ہو جائے۔ یہ ایک ایسی حکومت تھی جس کے قدم ابھی جھے ہی نہیں تھے، جس حکومت کی کوئی سیٹھی نہیں تھی، پرانی آرمی بیرکس کے اندر حکومتی عہدے دار بیٹھے نظم و نسق چلا رہے تھے، کوئی دفاتر نہیں تھے، کوئی گورنمنٹ ہاؤس نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس حکومت پر آباد کاری کا اتنا بڑا بوجھ ایک دم آ جائے گا تو حکومت بیٹھ جائے گی۔ اس امید میں انہوں نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ بہر حال یہ چار عوامل ہیں کہ جن سب نے مل ملا کر ابھی تک کشمیر کا مسئلہ حل ہونے میں رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی۔

مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری اپنی غلطیاں

بائیں ہمہ اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈال لیجئے، اس لئے کہ اس معاملہ میں کچھ غلطیاں یقیناً ہماری بھی ہیں۔ چنانچہ Self Assessment بھی کرنی چاہئے، ہمیں اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام سے گریز

ہم سے جو غلطیاں ہوئی ہیں ان میں جو مہا غلطی یا جرم عظیم ہے جسے اکبر الکبارتہ معصیت کبریٰ یا ذنب عظیم کہنا چاہئے وہ یہ کہ ہم نے ملک خداداد پاکستان میں جسے ہم نے اسلام کے نام پر قائم کیا تھا، اسلام قائم نہیں کیا بلکہ نفاذ اسلام سے مسلسل گریز کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم اللہ کی مدد سے محروم ہو گئے۔ ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اللہ نے ہمارے دلوں میں منافقت پیدا کر دی۔ یہ بات میں سورہ توبہ کی آیات ۷۵، ۷۶، ۷۷ کے حوالے سے کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سے وعدہ کر کے اگر وعدہ خلافی کی جائے تو اس کی سزا جو آخرت میں ہوگی وہ تو ہوگی دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم میں وہ نفاق باہمی بھی پیدا ہوا کہ قوم قوم تہمتوں میں تقسیم ہو گئی۔ مزید یہ کہ کردار اور اخلاق کا نفاق عملی پیدا ہوا اور صداقت، امانت اور ایفاء عہد کا جنازہ نکل گیا۔ یہ سب کچھ ہوا کہ نہیں ہوا؟ کیوں ہوا؟ اللہ تو ظالم نہیں ہے۔ یہ قوم ماضی میں کبھی پست قطعاً نہیں تھی، اخلاقی اعتبار سے بھی اتنی گری ہوئی تو نہیں تھی۔ اس سے آگے بڑھ کر پھر اللہ تعالیٰ نے ۲۵ برس کی مہلت دینے کے بعد ہم پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا اور ہم کشمیر تو کیا لیتے، مشرقی پاکستان بھی کھو بیٹھے۔ یہ ہے وہ اکبر الکبارتہ، یہاں ذنب عظیم، ہمارا سب سے بڑا جرم اور ہماری سب سے بڑی معصیت، یعنی اللہ کے ہاتھ وعدہ خلافی۔ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْهُمُ بَيْعَاتٍ يَوْمَ أُخْلِفُوا إِلَهُ مَا وَعَدْتُهُمْ﴾ ”پس اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بیٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا بچھانہ چھوڑے گا۔ سب اس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کی تھی اور سب اس جرم کے جو وہ تو لیتے رہے۔“ جو کہ ہم نے اسلام پر عمل کیا ہوتا اور مال ملک زمین اسلام کو نماند کیا ہوتا تو پھر کیا ہوتا؟ اللہ کی مدد ہلاکے کے مواقع شمال ہوتی ہیں اور ہمیں اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ اللہ ہمارے لئے تھا ہے۔ ان یقین والے کے ساتھ کہ کشمیر ہمارا حق ہے اور اللہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں کس کا ڈر ہوگا؟ ہم اس جملے پر

کم ہمتی اور بزدلی کا کیا سوال تھا؟ یہ ناممکن تھا۔ میں نے آغاز خطاب میں جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں ایک آیت سورہ آل عمران کی ہے: ﴿إِن يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ ”(مسلمانو دیکھو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آئے گا۔“ ﴿وَإِن يَخُذْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ ”اور اگر اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا اس کے بعد؟“ ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اہل ایمان کو تو صرف اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔“

پھر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم چھوٹے ہیں وہ بڑے جیسے سورۃ البقرہ میں فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْثَمُوا لِلَّهِ كَمَنْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”کہا ان لوگوں نے جنہیں یقین تھا کہ انہیں اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے اس سے ملاقات کرنی ہے کہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جمعیت کو ایک بڑی جمعیت پر فتح اور غلبہ حاصل ہوا ہے اللہ کے حکم سے۔“ ﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ اس صورت میں ہم کھلم کھلا الٹی میٹم دیتے کہ یہ ہمارا حق ہے یا اس سے دستبردار ہو کر اسے ہمارے حوالے کر دیا کھلم کھلا میدان جنگ کے اندر مقابلہ کرو۔ یہ وہ بات ہے جو مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۴۸ء میں کہی تھی اور ان کے خلاف اسی قسم کا طوفان اٹھا تھا جیسا طوفان آج کل میرے خلاف آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا۔ انہوں نے جو بات کہی تھی وہ اصولی طور پر صد فی صد درست تھی اگرچہ انطباق اور اطلاق کے اعتبار سے غلط تھی۔ میری یہ بات ذرا سمجھ لیجئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔ مولانا مرحوم نے جو دلیل دی تھی وہ سورۃ الانفال کی اس آیت سے تھی جو میں نے آج آپ کو پڑھ کر سنائی ہے: ﴿وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے کسی خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کے ساتھ اگر کوئی معاہدہ ہے تو وہ کھلم کھلا ان کے منہ پر دے مارئیے (پھر اقدام کیجئے)۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

یہ نہیں کہ معاہدہ بھی قائم رہے سفارتی تعلقات بھی قائم رہیں اور آپ اندر ہی اندران کے خلاف کوئی اقدام بھی کریں۔ یہ خیانت ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا اپنا ایک اخلاق ہے۔ اسلامی حکومت دنیا کی مادہ پرستانہ حکومتوں کی طرح نہیں ہوتی۔ اس کی جنگ بھی ہے تو اخلاق کے تحت ہے، صلح بھی ہے تو اخلاق کے تابع ہے۔ دوستی بھی ہے تو اخلاق کے اصولوں کے مطابق ہے۔ دشمنی ہے تو وہ بھی اخلاق کے اصولوں کے مطابق ہے۔ یہ قرآن کا قانون ہے۔ مولانا مودودی کا موقف یہ تھا کہ ہم نے بھارت کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں، ہم نے انہیں کوئی الٹی میٹم بھی نہیں دیا ہے، اس کے باوجود اگر یہاں سے لوگ وہاں جا کر حملے کر رہے ہیں اور اسے جہاد سمجھ رہے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں پاکستان کو چاہئے کہ کھلم کھلا اپنے حق کے لئے اعلان کرے۔ لیکن یہ بات اصولی اعتبار سے جتنی درست تھی، عملی اعتبار سے اتنی ہی غلط تھی۔ اس لئے کہ اسلام پر چلنے کا تو ہمارا ارادہ تھا ہی نہیں۔ اسلام تو ہمارے ہاں Frame of reference کے طور پر موجود ہی نہیں تھا۔ لہذا اس موقع پر اسلامی حکم کا تذکرہ کرنا گویا کہ بے محل تھا۔ جب ہماری پوری زندگی اسلام کے مطابق نہیں، ہمارے ہاں سارے قوانین وہی چل رہے ہیں جو ہمیں برطانیہ دے کر گیا تھا، ہمارا وہی جاگیرداری اور زمینداری نظام چل رہا ہے، ہمارا وہی سودی معیشت کا نظام چل رہا ہے، ہمارا سارا معاملہ جوں کا توں ہے تو اسلام کے ایک حکم کو اس طور سے لاکر نافذ کر دینا درحقیقت انطباق (application) کے اعتبار سے درست نہیں تھا۔

بہر حال اگر ہم واقعتاً یہاں اسلامی نظام قائم کرتے، اس ملک کو ایک اسلامی ریاست کا درجہ دیتے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بھارت کیا بھارت کا باپ بھی ہمارے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہوتی۔

اگر اللہ پر ہمارا توکل ہوتا، ہمارا اللہ کے ساتھ خلوص کا رشتہ ہوتا تو اللہ کے بارے میں بھی ہمیں یقین ہوتا کہ وہ ہماری پشت پر ہے۔ اگر آپ اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کی تدبیر آپ کے خلاف استعمال ہوتی ہے۔ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ یہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ دیتا ہے۔ یہ تو دوطرفہ معاملہ ہے۔ تم اللہ کے ساتھ خلوص اور اخلاص کا معاملہ کرو تو اللہ بھی تمہارے ساتھ خلوص و اخلاص اور محبت کا معاملہ کرے گا ورنہ نہیں۔ اگر اللہ کی مدد و نصرت ہمارے شامل حال ہوتی تو ہمارا معاملہ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ النَّارُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ کا نہ ہوتا کہ ہم بھارت کو کھلم کھلا الٹی میٹم دینے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔ بلکہ ہم دو ٹوک اعلان کرتے کہ کشمیر ہمارا حق ہے یہ ہمارے حوالے کر دو ورنہ آؤ اور کھلے میدان میں جنگ کرو۔

اس ایک بڑی غلطی پر مستزاد ہماری پانچ مزید چھوٹی غلطیاں ہیں۔ جو بڑی غلطی میں نے بیان کی ہے جسے میں نے اکبر الکبار سب سے بڑی معصیت اور سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے اسے اگر ایک پلڑے میں ڈالیں اور وہ پانچ غلطیاں جو میں بیان کرنے چلا ہوں انہیں دوسرے پلڑے میں ڈالیں تو شاید وزن میں کچھ برابر ہو جائیں۔

(۱) ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں ہمارا موقف

تقسیم ہند کی تجویز جب زیر غور تھی تو ریاستوں کے بارے میں کانگریس کا موقف یہ تھا کہ ان ریاستوں کا مستقبل وہاں کے عوام طے کریں گے، لیکن ہم نے یہ موقف قبول نہیں کیا، بلکہ مسلم لیگ نے یہ بات طے کرائی کہ ریاستوں کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام نہیں، راجے، مہاراجے اور نواب کریں گے۔ اگر عوام کا معاملہ ہوتا تو کشمیر کے بارے میں دورائیں کسی کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھیں۔ لیکن یہ اختیار اگر راجے کے پاس ہو تو راجہ ہری چند ایک ہندو ڈوگرہ تھا۔ یہ ہماری قیادت کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ آخر ہماری قیادت معصوم تو نہیں تھی نا! مسلم لیگ کے اس موقف کی وجہ یہ تھی کہ

ہماری نگاہیں حیدرآباد دکن پر جمی ہوئی تھیں جو بہت ہی مالدار ریاست تھی اور وہاں پر ہیروں اور سونے کی کانیں تھیں۔ اس کے علاوہ جونا گڑھ اور مناوڑ کاٹھیاواڑ کے علاقے کی دوریاستیں تھیں۔ حیدرآباد دکن کے عوام کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل تھی اور جونا گڑھ، مناوڑ کے عوام کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے یہ موقف اختیار کیا کہ ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام نہیں، حکمران کریں گے۔ کیونکہ ہمیں امید تھی کہ ان ریاستوں کے نواب پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ لیکن ہمارا یہ موقف کشمیر کے مسئلے کو الجھانے کا سبب بن گیا۔

(۲) باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کی پیشگی منظوری

یہ بھی ہماری بہت بڑی غلطی تھی کہ ہم نے باؤنڈری کمیشن یعنی ریڈ کلف ایوارڈ کے بارے میں پہلے سے لکھ کر دے دیا کہ یہ جو فیصلہ کر دیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہماری قیادت کو یہ فیصلہ انتہائی مجبوری میں کرنا پڑا۔ اس لئے کہ ایسی روایات موجود ہیں کہ جب یہ بات چیت ہو رہی تھی تو آخری مرحلے میں قائد اعظم شدید مغموم، رنجیدہ اور depress رہے۔ ان کے بارے میں غالباً اصفہانی صاحب نے کہا تھا کہ میں نے زندگی بھر قائد اعظم کو کبھی اتنا غمگین، ملول اور رنجیدہ نہیں دیکھا جتنا ان دنوں میں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر یہ نہیں مانو گے تو ٹھیک ہے، ہم پاکستان کی پوری سکیم ختم کرتے ہیں اور ایک طرفہ طور پر پورا ہندوستان کانگریس کے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں۔ تو مسئلہ یہ ہو گیا کہ یا تو اب یہ جو بھی کوئی زیادتی کریں، کوئی بھی کانٹ چھانٹ کریں اس کے تحت جو بھی پاکستان ملے وہ لے لیا جائے یا یہ کہ پورے پاکستان سے ہاتھ دھو کر بیٹھ جائیں۔ قائد اعظم نے اس وقت pragmatic انداز اختیار کیا، لیکن شدید صدمے اور شدید رنج کے ساتھ۔ میرے نزدیک یہ قائد اعظم کی مجبوری بھی تھی اور پھر یہ کہ درحقیقت یہ اس برطانوی سازش کی ایک کڑی تھی جس کے تحت کشمیر کا مسئلہ پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے

بھارت کو کشمیر کا راستہ دینا تھا۔ چنانچہ باؤنڈری کمیشن نے بے ایمانی کر دی تھی۔ لہذا پہلے سے دستخط لے لئے تھے کہ جو بھی ایوارڈ ہوگا وہ آپ کو ماننا پڑے گا۔ قائد اعظم نے اس کو شدید دباؤ میں قبول کر لیا تھا۔ لیکن بہر حال غلطی تو ہوئی اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہونے میں سب سے بڑا دخل اسی کا ہوا۔ اگر اس معاملے میں یہ بے انصافی نہ ہوتی اور یہ زمینی راستہ بھارت کو نہ مل گیا ہوتا تو ظاہر بات ہے کہ وہ کشمیر میں اپنی فوج بھیج ہی نہیں سکتا تھا۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے کتنی فوج بھیجی جاسکتی تھی!

(۳) کشمیر میں فوجی کارروائی میں تاخیر

اسلام کے اصولوں کے مطابق ہمیں جو طرز عمل اختیار کرنا چاہئے تھا وہ تو ہم نے کیا نہیں لہذا اس سے قطع نظر دنیا میں جو رواجی سیاست ہے اس کے اعتبار سے ہمارے لئے موقع تھا کہ ہم جھٹ پٹ اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دیتے۔ بھارت کے لئے کشمیر میں فوجیں پہنچانا آسان کام نہیں تھا جبکہ ہمارے قبائلی وہاں داخل ہو چکے تھے۔ آزاد کشمیر، بلتستان اور گلگت میں لوگوں نے خود بغاوت کر کے ڈوگرہ فوج کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔ چنانچہ حالات نہایت سازگار تھے۔ اگر ہماری طرف سے ذرا سی باقاعدہ Army Move ہو جاتی تو کشمیر ہمیں مل جاتا۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکا۔ کیوں نہیں ہو سکا؟ اس لئے کہ ہمارے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ گویا یہ برطانوی سازش کا تیسرا پہلو (aspect) تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوجی کارروائی کے لئے حالات واقعتاً سازگار نہ ہوں کیونکہ ابھی ہمیں ہمارا فوجی ساز و سامان پورا نہیں ملا تھا اور ہماری مسلح افواج ابھی پورے طور سے مستحکم نہیں ہوئی تھیں۔ واللہ اعلم، لیکن گمان غالب یہی ہے کہ انگریز کمانڈر انچیف گریسی اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ بنا تھا۔ ورنہ اگر وہاں پر باقاعدہ فوج کی کچھ نفری چلی گئی ہوتی تو کشمیر ہمارے پاس آ جاتا۔ یہ وہی معاملہ ہو جاتا جو بھارت نے حیدرآباد دکن، جونا گڑھ اور مناور میں کیا۔ لہذا ہم پر کوئی الزام بھی نہ آتا۔ ہم کہہ سکتے تھے کہ جو کچھ انہوں نے کیا

وہی کچھ ہم نے کیا۔ گویا یہ ’ادلے کا بدلہ‘ والی بات تھی۔

(۴) ۱۹۶۲ء کی چوک

دنیا کی جو رواجی سیاست اور طور طریقے ہیں اسی کے اعتبار سے ہمیں اللہ نے ۱۹۶۲ء میں ایک سنہری موقع دیا۔ جب بھارت کی چین کے ہاتھوں پٹائی ہو رہی تھی اور بھارت کانپ رہا تھا، ہانپ رہا تھا اس وقت اگر ہم کشمیر میں ذرا سائیڈ وائس کر لیتے تو کشمیر ہمیں مل جاتا۔ لیکن ہم نے تو اپنا آقا امریکہ بہادر کو بنایا ہوا تھا اور اس کی اجازت اس کا این او سی ہمیں نہیں ملا۔ اس طرح ہم نے وہ سنہری موقع گنوا دیا، ورنہ اس وقت بہت ہی آسانی کے ساتھ کشمیر پر ہمارا قبضہ ہو سکتا تھا۔

(۵) ۱۹۶۵ء میں غلط حکمت عملی

اس ضمن میں پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں ہم نے بہت بڑی غلطی یہ کی کہ ابھی مقبوضہ کشمیر کی وادی میں جہاد حریت کے لئے کوئی فضا ہموار نہیں کی گئی تھی اور ہم نے وہاں اپنے کمانڈوز داخل کر دیئے۔ یہ انتہائی نااہلی اور غلط منصوبہ بندی کا مظہر تھا۔ اس قسم کی مہم کو اگر مقامی آبادی کی حمایت حاصل نہ ہو تو اس میں کیسے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟ یہاں سے ہمارے مجاہدین جو کشمیر کے اندر جاتے ہیں انہیں اگر وہاں مقامی سپورٹ نہ ملے تو یہ اپنی کارروائیاں کیسے کر سکتے ہیں؟ جہاد کشمیر تو مقامی طور پر ہی شروع ہوا تھا۔ پہلے کشمیریوں نے ملے کیا تھا کہ ہم بھارت کے بچہ استبداد سے آزادی کے لئے جہاد شروع کریں۔ اس کے بعد جو مجاہدین باہر سے وہاں گئے انہیں مدد بھی ملی، انہیں چھپایا بھی گیا، انہیں راشن بھی پہنچایا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا ہے، مقامی آبادی نے انہیں پورے طریقے سے تحفظ دیا ہے۔ لیکن ۱۹۶۵ء میں وہاں یہ فضا نہیں تھی۔ چنانچہ ہم نے وہاں اپنے جو کمانڈوز داخل کئے وہ سب کے سب قتل ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑی حماقت تھی۔ مزید یہ کہ پتہ نہیں کس نے وزیر خارجہ بھٹو کے ذریعے سے ہمارے فیلڈ مارشل ایوب صاحب کو یہ اطمینان دلادیا تھا کہ بھارت انٹرنیشنل باؤنڈری

عبور نہیں کرے گا' جبکہ بھارت نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ سیاسی اعتبار سے بھی ہم سے غلطی ہوئی۔ ہمارے سارے اندازے بھی غلط نکلے، ہم نے فوجی منصوبہ بندی بھی غلط کی اور ہمارے سفارتی تعلقات بھی غلط ثابت ہوئے۔

یہ پانچ غلطیاں ہیں جو ہم سے ۱۹۶۵ء تک یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ ۱۹۷۱ء کا میں تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ مسئلہ اصلاً مشرقی پاکستان کا تھا اور اس میں ہماری نااہلی اور سیاسی بے بصیرتی کا بھی ہاتھ تھا۔ ہماری اُس وقت کی جو قیادت تھی وہ شرایوں اور زانیوں پر مشتمل تھی۔ وہ ایک علیحدہ داستان ہے۔ وہ تو اصل میں اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا تھا جو ہماری پیٹھ پر پڑا اور بدترین شکست کی صورت میں کلنگ کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگا، جس کے نتیجے میں ہمارا دایاں بازو کٹ کر ہم سے الگ ہو گیا۔

مسئلہ کشمیر — عالمی حالات و واقعات کے تناظر میں

یہ باتیں تو بڑی پرانی تھیں جو میں نے دہرائی ہیں۔ لیکن پچھلے چند سال کے دوران کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ جن سے کشمیر کا مسئلہ اب تازہ ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اصل میں تو یہ مسئلہ جہاد افغانستان کے نتیجے میں تازہ ہوا۔ گویا یہ جہاد افغانستان کا fall out ہے۔ افغانستان میں جہاد کے نام پر جس جوش و خروش کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا اسی کو دیکھ کر ”خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے“ کے مصداق ایک تو کشمیر کے مسلمانوں میں بھی یہ جذبات ابھرے کہ آخر افغان بھی انسان ہیں جنہوں نے یہ کچھ کر کے دکھا دیا تو ہم کیوں نہ کر سکیں گے دوسرے یہ کہ پوری دنیا سے جتنے مجاہدین افغانستان میں آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی پھر کشمیر کے اندر داخل ہو کر ان کی پشت پناہی کی۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ میں اعلانِ لاہور سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میں کہتا ہوں کہ وہ نواز اور واجپائی کا آپس میں ”جھما“ تھا، لیکن اس پر ویس کو ہماری کارگل کی مہم نے ختم کر دیا۔ کارگل سے پھر ہمیں دم دبا کر بھاگنا پڑا۔ اس پوزیشن کو

اچھی طرح جان لیجئے! جہاں تک طاقت کا توازن ہے تو بھارت اور پاکستان کی جنگ اس حال میں کہ اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے ہمارے حق میں نہیں جاسکتی۔ اس لئے کہ اگر مقابلہ ہوگا تو اسلحہ کا اسلحہ سے، افراد کا افراد سے، طاقت کا طاقت سے، گنتی کا گنتی سے اور مادی وسائل کا مادی وسائل سے ہوگا۔ اس اعتبار سے ہم ہرگز ہندوستان کے ساتھ جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تاہم اگر چھوٹی جنگ ہو، محدود علاقے میں ہو تو ہمارا پلڑا بھاری رہے گا۔ اس لئے کہ مسلمان فوجی میں جو جوش و خروش اور ذوق شہادت ہے وہ ہندو کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ لیکن ہم اپنے محدود وسائل کے ساتھ کسی بڑے پھیلے ہوئے محاذ پر sustained war کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس حوالے سے جب محسوس ہوا کہ کارگل کے مقابلے میں اب بھارت آل آؤٹ وار پر تل گیا ہے تو آپ کا وزیر اعظم وائٹنگن کو بھاگا اور چھٹی کے روز جا کر کلنٹن سے درخواست کر کے ملاقات کا وقت لیا۔ کلنٹن نے بعد میں مذاق اڑاتے ہوئے کہا بھی کہ وہ میرے ساتھ فوٹو سیشن چاہتا تھا۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ میرے ساتھ ایک فوٹو کھنچوائے۔ اس طرح وہاں پاکستان کی عزت کا دھیلہ ہوا ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فوج کی مرضی کے بغیر گیا ہو۔ یہ بات غلط ہے۔ باقی رہا یہ خیال کہ آپ کے پاس ایٹمی ڈیٹرنٹ ہے تو دیکھئے آپ کے ڈیٹرنٹ کی بھی ایک محدود قدر (value) ہے۔ کسی کو اگر آپ دیوار سے لگا دیں اور وہ محسوس کر لے کہ اب آخری حد آگئی ہے تو وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ ہمارے پاس ایٹم بم ہیں تو کیا بھارت کے پاس نہیں ہیں؟ ہم اس کے آٹھ دس شہر برباد کریں گے تو کیا وہ ہماری تکہ بوٹی نہ کر دے گا؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پھر پاکستان کا وجود بھی باقی رہ جائے۔ لہذا جب مسئلہ آئے گا کہ واقعتاً اس کو استعمال کریں اس وقت سود فہ سو چنا پڑے گا۔ ہاں جب تک وہ ایک ڈیٹرنٹ کی حیثیت سے رکھا ہے اس وقت تک اس کی بڑی اہمیت ہے۔

کارگل سے پسپائی کے بعد ہم اعلان وائٹنگن پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد نواز

حکومت کا خاتمہ ہو اور جنرل پرویز مشرف چیف ایگزیکٹو بن کر آگئے۔ اب وہ ہمارے چارٹریٹوں والے سربراہ ہیں۔ شروع میں جب یہ آئے تو انہوں نے بار بار گردان کی شکل میں مذاکرات کی رٹ لگائے رکھی۔ ”any where, any time, at any level“ لیکن شرط واحد یہ کہ کشمیر پر بات ہونی چاہئے۔ یہ ایک بہت صحیح موقف تھا۔ پالیسی کے اعتبار سے اس میں کوئی سقم نہیں ہے۔ لیکن بھارت کی طرف سے جواب میں انتہائی سختی کے ساتھ رد کیا گیا کہ ہرگز نہیں، پہلے سرحد پار دہشت گردی بند کرو۔ یعنی پاکستان سے جو مجاہدین آتے ہیں انہیں روکو، مقامی حریت پسندوں سے ہم نٹ لیں گے۔ جب تک یہ نہیں کرتے کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ پہلے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ ہم فوجی حکومت سے بات نہیں کریں گے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بھارت کے اس قدر پختہ موقف میں جو اچانک تبدیلی آئی ہے اس پر پوری دنیا حیران ہو گئی ہے۔ ہمارے اپنے سارے صحافی حیران ہیں۔ ارشاد احمد حقانی صاحب نے اس پر کئی کالم لکھے ہیں۔

بھارت کے رویے میں موجودہ تبدیلی کے اسباب

بھارت کے رویے میں یہ جو بہت ڈرامائی اور بڑی اچانک تبدیلی آئی ہے اس کے بارے میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس کے اصل اسباب کیا ہیں۔ اس کا اولین اور اہم ترین سبب تو جہاد کشمیر ہے۔ اس ضمن میں اول تو خود کشمیر کے اندر جو جہادِ حریت جاری ہے اور اس کو مزید تقویت دینے والی پاکستان کی جہادی تحریکوں کی طرف سے جس جوش و خروش، بے مثال بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور بے شمار جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا ہے اس کی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملیں گی۔ اس بارے میں میرا موقف اخبارات میں درست طور پر شائع نہیں کیا گیا اور یہ بات مجھ سے بالکل غلط طور پر منسوب کی گئی ہے کہ میں اسے جہاد نہیں کہتا۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں اسے جہاد کہتا ہوں، جائز جہاد کہتا ہوں اور اس میں جانیں دینے والوں کو شہید کہتا ہوں۔ اس کی وضاحت میں آخر میں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جو موقع اس وقت پیدا ہوا ہے یہ انہی

مجاہدین کی قربانیوں کا انہی کی محنتوں کا اور انہی کے جانیں دینے کا مرہون منت ہے خواہ وہ کشمیری ہوں خواہ پاکستان یا کسی دوسرے ملک سے گئے ہوئے لوگ ہوں۔ اس جہاد کے نتیجے میں ہندوستانی فوج کا مورال گر چکا ہے اور اس پر نکان طاری ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انڈیا میں فوج ایک بالکل خالص غیر سیاسی ادارہ ہے۔ لیکن اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ فوج کا چیف اعلانیہ کہہ رہا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کا فوجی حل ممکن نہیں بلکہ اس کا سیاسی حل ہونا چاہئے اور اسے ”کچھ لو کچھ دو“ کے اصول کے تحت حل ہونا چاہئے۔ آرمی چیف کے اس برملا اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ تھک بھی چکے ہیں اور سیاسی حل کے لئے ان کا ذہن آمادہ ہے اور وہ ”کچھ دو کچھ لو“ کے معاملے پر سوچنے کو تیار ہیں۔ واللہ اعلم! جہاد کے ضمن میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، میری بات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا۔ میں اسے آخر میں چند وضاحتوں میں پیش کروں گا۔

اس سے بھی زیادہ میرے نزدیک جو اہم عامل ہے وہ خارجی ہے۔ اس خارجی عامل کے بارے میں میرا ایک پورا فلسفہ ان حضرات کے سامنے ہے جو میرے جمعہ کے خطابات سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ اصل میں تو یہ یہودی منصوبہ ہے جس کا مقصد پوری دنیا پر یہود کا اقتصادی اور مالیاتی تسلط قائم کرنا ہے، لیکن بظاہر یہ امریکہ کا منصوبہ ہے۔ موجودہ امریکی صدر بش کے باپ جارج بش نے خلیج کی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ ”نیو ورلڈ آرڈر“ کا نام لیا تھا۔ اس نے ایک تقریر میں ڈنکے کی چوٹ کہا تھا کہ اب نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز ہو جائے گا۔ امریکہ کو نیو ورلڈ آرڈر کی راہ میں دنیا میں جو سب سے بڑی رکاوٹ نظر آتی ہے وہ چین ہے۔ لہذا اس وقت ”containment of China policy“ امریکی پالیسی میں کارز سٹون کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جس کی وجہ سے وہ فارموسا کو بھی سپورٹ کر رہے ہیں اور انہیں طرح طرح سے ہتھیار بھی دے رہے ہیں۔ چین کے گھیراؤ کے لئے انہیں

ایک بہت بڑے آلہ کار کے طور پر بھارت کی ضرورت ہے اور بھارت نے بھی آگے بڑھ کر اس حیثیت کو قبول کر لیا ہے۔ ایک طرف تو یہ سین ہے دوسری طرف سین یہ ہے کہ چین اور پاکستان کا رابطہ بڑا قدیم بھی ہے اور گہرا بھی۔ ان کی دوستی وقت کے تقاضوں پر پوری اتری ہے اور اس وقت امریکہ بھارت گھ جوڑ کے رد عمل کے طور پر چین اور پاکستان کی قربت زیادہ ہو رہی ہے۔ چینی وزیر اعظم زور انجی پاکستان کا دورہ کر کے گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ کھٹمنڈو گئے۔ یعنی چین بھی اب بھارت کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے اس کی کوشش ہے کہ وہ سارک ممالک کو اپنے زیر اثر لے آئے۔ چنانچہ امریکہ چائنا کو encircle کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن چائنا بھارت کو encircle کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس حوالے سے چین کے اثر و رسوخ کا خلیج تک پہنچ جانا گویا کہ امریکہ کے لئے ریڈ سنگٹل ہے۔ گوادر کے معاملے میں ہمارا معاملہ چین سے طے ہو چکا ہے کہ وہاں پر وہ ساحلی سڑک بھی بنائے گا اور بندرگاہ بھی تعمیر کرے گا۔ گوادر میں چین کی موجودگی کا مطلب اس کا خلیج کے دہانے پر قدم جمالینا ہے جو امریکہ بہادر کے لئے انتہائی پریشان کن بات ہے۔

اس ساری صورت حال کا نتیجہ کیا ہے؟ سب سے پہلی بات یہ کہ بھارت کو احساس ہوا ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے پڑوسی ملک کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرے۔ چھوٹے پڑوسی ممالک میں بھوٹان بھی ہے اور نیپال بھی۔ نیپال میں بھی آپ کو معلوم ہے کہ ماؤ تحریک کس قدر تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بھارت نے سازش کے ذریعے نیپال کا پورا شاہی خاندان اسی لئے مروا دیا ہے کہ وہ پرو چائنا نظریات کے حامل تھے اور وہاں پر وہ بادشاہ ”تینات“ کیا گیا ہے جو پروانڈیا ہے۔ بھوٹان اور نیپال کے علاوہ بھارت کے ہمسائے سری لنکا، پاکستان اور بنگلہ دیش ہیں۔ بنگلہ دیش کے ساتھ بھی اب بھارت کے تعلقات اتنے اچھے نہیں ہیں۔ ان کی فوجوں کی آپس میں سرحدی جھڑپیں ہوئی ہیں اور اب اندیشہ یہ بھی ہے کہ آنے والے الیکشن

میں شاید مجیب الرحمن کی بیٹی کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ سارے حالات ہیں کہ جن کے پیش نظر بھارت یہ سوچنے پر مجبور ہوا ہے کہ وہ اپنا ایک مصالحانہ کردار سامنے رکھے اور اس علاقے میں واقعتاً بڑا بھائی بن کر دکھائے۔ بڑا بھائی بننے کے لئے صرف ساز بڑا ہونا کافی نہیں ہے، وسعت ظرفی درکار ہے۔ بڑے کے دل میں چھوٹوں کے ساتھ کچھ شفقت، بھلائی، نیکی اور خیر خواہی کے جذبات ہوں گے تو اسے بڑا بھائی مانا جائے گا۔ چنانچہ بھارت کی خواہش ہے کہ کم از کم سارک کا جو پورا علاقہ ہے اس میں اس کی حیثیت بڑے بھائی کی تسلیم کی جائے اور اس کے لئے پڑوسی ممالک کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ ہمارا دشمن نہیں ہے بلکہ یہ تو سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس طرح یہ سب ممالک اس کے زیر اثر آجائیں اور جس طرح مرغی اپنے پرروں تلے اپنے بچوں کو چھپالیتی ہے اسی طرح یہ اپنے ارد گرد کے ممالک کو اپنے زیر اثر لاکر پھر بھر پور طریقے سے امریکہ کا آلہ کار بن کر چائنا کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے۔

دوسرے اس کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بھارت جب یہ حیثیت اختیار کر لے تو اسے سکیورٹی کونسل کی مستقل ممبر شپ دلوا دی جائے۔ ساز کے اعتبار سے تو وہ اس کا حق دار ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں دنیا کی قریباً ۱/۵ آبادی ہو گئی ہے۔ چائنا میں بھی دنیا ۱/۵ آبادی ہے اور بھارت میں بھی ۱/۵ نہیں تو ۱/۶ لازماً ہوگی۔ پھر وہ ایک ایسی طاقت ہے۔ اس نے ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ آس پاس کے ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات درست نہیں ہیں اس اعتبار سے اسے اب تک سلامتی کونسل کا مستقل رکن نہیں بنایا گیا۔ لیکن اگر کسی طریقے سے حالات درست ہو جائیں تو گویا کہ اس کا امکان ہے۔

تیسری بات یہ کہ امریکہ کی پاکستان کے بارے میں پالیسی میں اولین ترجیح تو یہ ہے کہ پاکستان بھی بھارت کے زیر اثر ممالک میں شامل ہو جائے اور اس طرح چائنا سے بالکل دور ہو کر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن جائے۔ یہ نہیں تو کم سے کم غیر جانبدار

ہو جائے۔ یہ بھی نہیں تو کم سے کم چین کے ساتھ دوستی میں مزید پیش رفت نہ کرے۔ یہ گویا کہ ہر حکومت کے اپنے اہداف ہوتے ہیں کہ اولین ترجیح یہ ہے کہ یہ نہیں تو یہ ہے یہ بھی نہیں تو یہ ہے۔

مذاکرات سے وابستہ امیدیں

یہ ہے درحقیقت وہ داخلی اور خارجی پس منظر جس کی بناء پر یہ امید کرنے کے لئے کچھ بنیاد موجود ہے کہ شاید حکمتِ خداوندی میں مسئلہ کشمیر کے لئے ایک قابل عمل اور قابل قبول حل کی شکل پیدا ہو جائے۔ پچاس برس میں کبھی بھی یہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی جو اب پاک بھارت سربراہ مذاکرات کے حوالے سے پیدا ہو چکی ہے اور پوری دنیا اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ آپ سی این این اور بی بی سی ٹیلی ویژن دیکھئے کہ پوری دنیا کی توجہ ان مذاکرات پر ہے۔ اسی پر سی این این سے دو گھنٹے کا پروگرام آج شام کو ہوگا، جبکہ مذاکرات تو ابھی کل ہوں گے۔ بین الاقوامی سیاست کے اعتبار سے ان مذاکرات کی بڑی اہمیت ہے۔ اور ان سارے معاملات کی وجہ سے کچھ امید پیدا ہوئی ہے۔ اگرچہ ہندوستان کی نصف صدی کی ہٹ دھرمی اس کی پچھلی تاریخ، اس کی ذہنیت اور اس کے رویے کے پیش نظر یہ اندیشہ ہے اور بہت سے لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ان مذاکرات کا نتیجہ ”نشستند گفتند برخاستند“ سے زیادہ کچھ نہیں نکلے گا اور بھارت صرف یہی کہے گا کہ پہلے دوسرے معاملات پر بات کر لی جائے، کچھ confidence building measures اختیار کر لئے جائیں، تجارت شروع ہو جائے، سیاحت کا مسئلہ حل ہو جائے اور فلاں فلاں معاملات حل ہو جائیں، پھر جا کر کشمیر کے لئے بھی سوچ لیں گے۔ بہر حال ایک بات میں اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اس کی دعا لازماً کرنی چاہئے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی شکل بن جائے تاکہ یہ ناسور بہنا بند ہو جائے جس سے مسلسل پچاس برس سے خون اور پیپ بہ رہا ہے۔ ان دونوں ملکوں کے بہترین وسائل اسلحہ کی دوڑ میں صرف ہو رہے ہیں اور یہ اسلحہ آگ برسا کر ختم ہو جاتا ہے اور اس سے

کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کم از کم اس کے حل کی کوئی ابتداء ہو جائے، کوئی سمت معین ہو جائے، کچھ ٹائم فریم طے ہو جائے، جیسا کہ ٹیلی ویژن پر گفتگو میں ہو رہی ہیں۔ میرے نزدیک اس وقت اگر صرف دو کام بھی ہو جائیں تب بھی گویا یہ بڑی کامیابی ہوگی۔ اولاً یہ کہ بھارت تسلیم کر لے کہ ہاں کشمیر ایک متنازعہ علاقہ (Disputed Territory) اور متنازعہ مسئلہ ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ہم چھ مہینے میں اس کو حل کر لیں گے۔ اس سے اگلی کوئی بات ابھی نہ بھی ہو، لیکن یہ دو باتیں طے ہو جائیں تو اس کے ساتھ دوسرے چھوٹے مسئلے حل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً سیاچین کا مسئلہ ہو جائے یا کوئی اور ہو جائے۔ سیاچین بھی اس کے گلے میں بری طرح پھنسا ہوا ہے۔ اس پر اسے بے تحاشا خرچ کرنا پڑ رہا ہے اور اس کا بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اس وقت سیاچین پر بھارت کو ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ بہر حال ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو اور دونوں ممالک اپنے اپنے وسائل اپنی عوام کی بہبود اور فلاح کے لئے وقف کر سکیں!

مسئلہ کشمیر کا ممکنہ قابل عمل حل

اب میں اپنے موضوع کے آخری حصے پر بات کروں گا کہ مسئلہ کشمیر کا ممکنہ قابل عمل اور قابل قبول حل کیا ہوگا، یعنی ایسا حل جو قابل عمل بھی ہو اور پاک بھارت دونوں کے لئے قابل قبول بھی ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس ضمن میں بہت عرصہ پہلے تھرڈ آپشن کی بات شروع ہوئی تھی۔ سب سے پہلے یہ بات برطانیہ میں سردار عبدالقیوم صاحب نے کہی تھی کہ تھرڈ آپشن بھی ممکن ہے، جس پر ان کی بڑی درگت بنائی گئی تھی اور ان کے اس بیان پر بڑی لے دے ہوئی تھی۔ نوائے وقت نے بھی ان پر شدید تنقید کی تھی کہ یہ تھرڈ آپشن کی بات کہاں سے آگئی! اس کے کچھ عرصے بعد میاں نواز شریف صاحب نے تھرڈ آپشن کی بات کی تھی۔ وہ اگرچہ نوائے وقت کا اپنا آدمی تھا لیکن چونکہ نوائے

وقت کا معاملہ یہ ہے کہ ان مسائل پر اس کے ہاں کوئی چک نہیں پائی جاتی، دوستی وغیرہ اپنی جگہ پر ہے لیکن ان معاملات میں اس کا موقف بڑا پختہ ہے، لہذا انوائے وقت میں نواز شریف پر بھی شدید تنقید کی گئی۔ پھر ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ پچھلے دس پندرہ سال کے دوران کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے دونوں طرف، یعنی ہمارے کشمیر میں بھی اور انڈین کشمیر میں بھی، ایک رائے یہ بھی پیدا ہو رہی ہے کہ کشمیر کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہئے۔ اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلی اور جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ (JKLF) نے تو ایک مرتبہ کنٹرول لائن کو توڑنے کی جدوجہد بھی کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہم نہ بھارت سے الحاق چاہتے ہیں نہ پاکستان سے، بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا آزاد و خود مختار کشمیر ہو اور پورے کا پورا ہو۔ پاکستان سے گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر بھی واپس لیا جائے اور بھارت سے اس کا جو مقبوضہ کشمیر ہے پورا واپس لیا جائے اور اس سارے علاقے کو ایک آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ ایک وقت میں یہ محسوس ہوا کہ دنیا کی واحد سپریم پاور امریکہ کی سکیم یہی ہے کہ خود مختار کشمیر وجود میں لایا جائے۔ اس کے لئے امریکہ کی اسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ فار ساؤتھ ایشیا رابن رافیل، جو کہ یوں سمجھ لیجئے کہ نائب وزیر خارجہ برائے ساؤتھ ایشیا ہے، نے برملا یہ بیان دیا کہ ہم پاکستان سے گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر بھی واپس لیں گے، ہندوستان سے جموں کشمیر، لداخ اور وادی لیس گے، مزید برآں پاکستان نے ایک زمانے میں لداخ کا کچھ علاقہ جو چین کو دے دیا تھا، وہ بھی واپس لیں گے اور یہاں ایک آزاد ریاست قائم کی جائے گی۔ اسی زمانے میں بھارت کے وزیر داخلہ نے لوک سبھا میں یہ کہا تھا کہ کشمیر کے معاملے میں امریکہ کی اپنی نیت خراب ہو چکی ہے۔ اور وہ نیت کی خرابی یہی تھی۔ اس وقت ظاہر ہے کہ امریکہ کی بھارت کے ساتھ ابھی دوستی کی یہ پیٹنگیں بڑھنی شروع نہیں ہوئی تھیں، بھارت اپنی آزادی کو کچھ نہ کچھ ascertain کر رہا تھا، لہذا امریکہ کو ضرورت تھی کہ ہارٹ

آف ایشیا میں ایک ایسا علاقہ وجود میں آ جائے جو اس کے زیر اثر ہو۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ کشمیر ایک غریب ملک ہے اور میرے پاس دولت کے وسائل بے انتہا ہیں اور دولت بڑے بڑے کام کر سکتی ہے، لوگوں کی ذہنیت کو بدل سکتی ہے، سوچ کو بدل سکتی ہے، لوگوں کی رائے کے اندر انقلاب لاسکتی ہے، لہذا یہاں کے لوگوں کو سونے میں تول کر ہم کشمیر میں اپنا اڈا بنا لیں گے۔

اس طرح گویا ایک نیا اسرائیل وجود میں آ جائے گا جو ایک طرف بھارت کو کنٹرول کرے گا، دوسری طرف چائنا کے سر پر بیٹھا ہوگا، تیسری طرف پاکستان کی گردن پر سوار ہوگا، چوتھی طرف واخان کی پٹی کے حوالے سے اس کا تعلق افغانستان کے ساتھ ہوگا اور پانچویں طرف وہ وسطی ایشیا کی ریاستوں کو بھی مانیٹر کر سکے گا۔ یوں سمجھئے کہ امریکن ڈپلومیسی کے لئے اس سے زیادہ گولڈن چانس کوئی تھا ہی نہیں۔ اگر کسی طریقے سے مجاہدین کی قربانیوں کا یہ نتیجہ نکلتا تو کیا ہوتا! بھارت پاکستان کو تو کشمیر دینے سے رہا، وہاں کے جہاد حریت سے گھبرا کر اور جنگ آ کر وہ یہ کر سکتا تھا کہ اسے یو این او کی جھولی میں ڈال دے۔ جیسے کبھی برطانیہ کی جھولی میں فلسطین آ گیا تھا لیگ آف نیشنز کے مینڈیٹ کے ذریعے سے، اسی طرح اگر یہ کہیں یو این او کے مینڈیٹ میں آ جاتا تو گویا کہ امریکہ کی جھولی میں آ جاتا اور اس طرح وہاں پر ایک بہت بڑا اسرائیل ہارٹ آف ایشیا کے اندر وجود میں آ جاتا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ نقشہ اب تبدیل ہو چکا ہے۔ اب امریکہ کے پیش نظر چین کے گھیراؤ کی پالیسی ہے اور اسی غرض سے صدر کلنٹن کے زمانے میں بھارت اور امریکہ کی دوستی کی پیٹنگیں علی الاعلان بڑھنی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ کلنٹن بھارت کا پانچ دن کا دورہ کر کے گیا تھا جو درحقیقت اس چیز کی علامت تھی کہ دونوں ملکوں کے مابین دوستانہ تعلقات وجود میں آ چکے ہیں۔ اس سے پہلے مختلف محکموں میں، مختلف جگہوں پر، مختلف سطحوں پر نامعلوم کتنی کچھڑیاں پک چکی ہوں گی۔ اس کے بعد سے صورت حال تبدیل ہوئی ہے۔

مسئلہ کشمیر کا دوسرا حل وہ ہے جو کہ دنیا کے سامنے تو سب سے پہلے جنوری ۲۰۰۰ء میں یعنی ڈیڑھ سال پہلے آیا تھا اور یہ تجویز ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی طرف سے آئی تھی کہ کشمیر کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ اسے تقسیم کر دیا جائے۔ آزاد کشمیر، بلتستان اور گلگت پاکستان کے پاس رہیں جیسے کہ اب ہیں، جبکہ جموں لداخ وغیرہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کو دے دیئے جائیں اور وادی کے اندر آزاد ریاست قائم کر دی جائے۔ بعد میں آپ کے علم میں ہوگا کہ خلیج ٹائمز نے تو باقاعدہ یہ خبر شائع کی تھی کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اندر خانے گویا کہ ٹریک ٹو ڈپلومیسی وغیرہ کے نتیجے میں یہ بات طے ہو چکی ہے اور صرف اس کی تفصیلات طے ہونا باقی ہیں۔ بہت سے اور گوشوں سے بھی یہ بات آئی کہ یہ حل اس وقت زیر غور ہے۔ میں نے بھی اس کی تائید کی۔ لیکن میں جو بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میری یہ رائے کم از کم دس سال پرانی ہے اور اس کا کوئی تعلق نہ ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک سے ہے اور نہ اس تو اس کے ڈاٹے کسی ٹریک ٹو ڈپلومیسی سے ملتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اقتدار کے ایوانوں میں تو میری آمد و رفت ہے ہی نہیں، نہ صحافیانہ حلقوں میں میری آمد و رفت ہے۔ یہ میری آزادانہ سوچ تھی اور بہت پہلے سے تھی اور کم سے کم ۱۹۹۵ء سے تو میری یہ رائے ریکارڈ پر موجود ہے۔ میں نے ۱۹۹۵ء میں ایک پریس کانفرنس میں بیان دیا تھا کہ میرے نزدیک اس مسئلے کا حل یہ ہے اور اس کے سوا کوئی قابل عمل اور قابل قبول صورت موجود نہیں ہے۔ البتہ جب ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی رپورٹ آئی تھی تو میں نے اس کی تائید کی تھی۔ اب پھر چند روز پہلے اپنی ایک پریس کانفرنس میں میں نے اپنی اسی رائے کا اعادہ کیا ہے جو کم سے کم دس سال پرانی ہے اور یوں سمجھئے کہ قریباً چھ سال پہلے کا تو دستاویزی ثبوت بھی میرے پاس موجود ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے تو کہتا رہے کہ صاحب آپ یہ امریکہ سے سیکھ کر آئے ہیں یا یہ کہ چونکہ چوہدری شجاعت صاحب امریکہ سے آئے تھے تو شاید انہوں نے آ کر میرے کان میں پھونک ماری

ہے۔ بہر حال ہماری آج کل کی صحافت کا جو معیار ہے تو جس قسم کے سوالات مجھ سے پریس کانفرنس میں کئے گئے اور جس انداز سے اخباری رپورٹنگ کی گئی اس سے ایک سوءظن کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔

دیکھئے اس معاملے کے دو حصے ہیں۔ منفی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کا جو حل بھی ہو وہ یو این او اور امریکہ سے درے درے ہونا چاہئے۔ اس پر ان دونوں کا سایہ تک نہیں پڑنا چاہئے۔ ان دونوں کا سایہ اگر پڑ گیا تو ہو سکتا ہے کہ خود مختار کشمیر کی جو ایک پرانی خواہش تھی اور جو دب گئی تھی وہ کہیں دوبارہ جاگ جائے۔ آپ اپنے ملک کے اندر دیکھیں، خود مختار کشمیر سے متعلق کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ محمد اسحاق عباسی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب یہیں لاہور میں اچھرہ سے چھپی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان بھی غاصب ہے کہ ہمارے کشمیر کا ایک حصہ اس نے غصب کیا ہوا ہے اور ہندوستان بھی غاصب ہے۔ ایسے لوگوں کے خلاف بیان دینے والا کوئی نہیں ہے؟ ان پر تنقید کرنے والا کوئی نہیں؟ ہارٹ آف پاکستان لاہور میں بیٹھ کر یہ باتیں ہو رہی ہیں اور کھل کر ہو رہی ہیں۔ میں مختلف مواقع پر آزاد کشمیر گیا ہوں اور وہاں کے لوگوں کی باتیں جو کچھ سن کر آیا ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں پر ایک ایسی فضا موجود ہے۔ کسی بھی وقت امریکہ یہ سوچ سکتا ہے کہ اگر ہمارا وہی دیرینہ خواب پورا ہو رہا ہے تو کیوں نہ اسی کو پورا کر لیا جائے۔ لہذا اگر مسئلہ کشمیر کو یو این او کے ذریعے یا اس کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا پورا پورا امکان موجود ہے۔ اگر ان قراردادوں پر عمل شروع ہوا تو ہمیں آزاد کشمیر، بلتستان اور گلگت سے اپنی فوجیں نکالنی پڑیں گی جبکہ بھارت کشمیر میں کچھ نہ کچھ فوج رکھ سکے گا۔ اگرچہ اکثر و بیشتر فوج اسے بھی نکالنی پڑے گی۔ ہم تو ایک سپاہی بھی نہیں رکھ سکتے۔ اور اس کے بعد آخر کچھ وقت لگے گا۔ ریفرنڈم کوئی دو دنوں میں تو نہیں ہو جاتا۔ اس عرصے میں ان بین الاقوامی سازشیوں کو پورا موقع مل جائے گا کہ خود مختار کشمیر کے حق میں فضا ہموار کریں

اور اس کے حق میں ایک مضبوط لابی کو سپورٹ دے کر آگے لے آئیں۔ اس طرح آپ کو موجودہ آزاد کشمیر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے اور یہ پاکستان کے لئے موت ہوگی۔

آپ کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دیتے ہیں۔ یہ بجا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس وقت آپ کی اصل شہ رگ شاہراہ ریشم ہے۔ یہ کٹ گئی تو چائنا کے ساتھ تعلق ختم ہونے کے بعد آپ کا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ دنیا میں ایک ہی تو ملک ہے جس کے ساتھ آپ کی دوستی ہے۔ اور اگر پورا کشمیر خود مختار بن جاتا ہے تو پھر یہ بلتستان، گلگت اور ہنزہ کے ذریعے آپ کا چائنا کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ تو میرے نزدیک میری تجویز کا منفی حصہ یہ ہے کہ اس حل پر کہیں امریکہ یا یو این او کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ مسئلہ باہمی مذاکرات سے حل ہونا چاہئے۔ چوہدری شجاعت حسین صاحب کا بیان آیا ہے کہ کچھ مسلمان ممالک بیچ میں ثالثی کا کردار ادا کریں۔ مثال کے طور پر ایران کے بھارت کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا تھا کہ اس معاملے میں ایسا بھی معالجہ نہ کر دار ادا کرنے کو تیار ہے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں مگر امریکہ اور اقوام متحدہ دونوں سے دورے درے۔

اس ضمن میں مثبت بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یو این او کے عزائم سے قطع نظر پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تقسیم ہند کی جو روح تھی اور اس کا جو اصل الاصول تھا، مسئلہ کشمیر کا حل اس کے مطابق ہونا چاہئے۔ تقسیم ہند کی اصل روح اور تقسیم ہند کا اصل الاصول جیسا کہ میں نے شروع میں بیان کیا تھا، یہ تھا کہ مسلم اکثریت کے جو ملحقہ علاقے ہوں وہ پاکستان میں شامل کئے جائیں جبکہ غیر مسلم اکثریت کے ملحقہ علاقے ہندوستان میں شامل ہوں۔ اس اصول کے مطابق ظاہر بات ہے حق تو یہ ہے کہ پورا کشمیر پاکستان کو ملے۔ زیادہ سے زیادہ استثناء لداخ اور جموں کے غیر مسلم اکثریت کے ان اضلاع کا ہو سکتا ہے کہ جو ہماچل پردیش یا بھارتی پنجاب کے ساتھ ملحق ہیں، وہ علاقے بھارت کو

دے دیئے جائیں۔ باقی پورا کشمیر وادی سمیت پاکستان کو ملنا چاہئے۔ یہ ہمارا حق ہے۔ البتہ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے لئے بھارت کا تیار ہونا تقریباً ناممکن ہے کہ اس طرح پلیٹ میں رکھ کر وہ کشمیر آپ کو دے دے۔ ظاہر ہے کہ اس کی بھی پچاس باون سال کی ایک تاریخ ہے اور اس عرصے میں اس نے اپنی رائے عامہ کے ذہن کے اندر بہت کچھ زہر گھول رکھا ہے۔ چنانچہ ان کو کچھ نہ کچھ دائیں بائیں دیکھنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے جو قابل عمل شکل ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے پاس آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے علاقے رہیں۔ ان کا علیحدہ سٹیٹس ختم کر کے انہیں صوبوں کی شکل دے کر پاکستان کے اندر ضم کر دیا جائے۔ لداخ اور جموں کے وہ علاقے جہاں غیر مسلم اکثریت ہے وہ بھارت میں ضم ہو جائیں۔ جبکہ وادی کے علاوہ لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں استصواب کرا لیا جائے۔ اس استصواب میں البتہ ایک تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ اگرچہ میرے نزدیک وادی کے لوگوں کی بڑی اکثریت خود مختاری کے حق میں نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر استصواب ہو گا تو نوے فیصد پاکستان کے حق میں رائے دیں گے لیکن آپ امکان کو تو رد نہیں کر سکتے۔ ایک لابی بہر حال موجود ہے جس کی ایک رائے ہے۔ اگر ان کے پاس اکثریت ہے تو وہ بھی سامنے آ جائے۔

پاکستان نامنر کے ۱۸ جون ۱۹۴۷ء کے شمارے کے فرنٹ پیج پر قائد اعظم کا یہ بیان جلی سرخی کے طور پر شائع ہوا تھا:

States can choose to be independent, option not limited to Hindustan or Pakistan.

چنانچہ یہ تھرڈ آپشن کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خارج از امکان ہو۔ اس لئے کہ تقسیم ہند کے وقت مسلم لیگ کے موقف میں تھرڈ آپشن کی بات بھی موجود تھی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تھرڈ آپشن کل کشمیر کے لئے نہیں، صرف وادی کے لئے ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس وادی کا کوئی خاص تعلق چائنا کے ساتھ جڑتا بھی نہیں اور یہ "Encirclement of

"China" کا ذریعہ بھی نہیں بن سکتا۔ اگرچہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مجھے نوے فیصد یقین یہی ہے کہ استصواب کا نتیجہ پاکستان کے ساتھ الحاق ہی کی صورت میں نکلے گا۔ تاہم اگر تھرڈ آپشن ہو تو اس میں یہ شرط ہونی چاہئے کہ اس طرح جو "آزاد کشمیر" وجود میں آئے گا اس کو اندرونی طور پر تو مکمل آزادی ہو لیکن اس کی بیرونی پالیسی کو پاکستان اور بھارت دونوں اس طور سے کنٹرول کریں کہ کوئی تھرڈ پارٹی وہاں قدم نہ جما سکے۔ یہ بات میں نے پچھلے سال کہی تھی۔ اور اس وقت تک میرے علم میں نہیں تھا کہ ایسا کوئی معاملہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ میں نہ تو پولیٹیکل سائنس کا طالب علم ہوں اور نہ کوئی دستوری ماہر ہوں۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت سید شہاب الدین جو کبھی انڈین فارن سروس کے صف اول کے آفیسرز میں سے تھے پھر سیاست کے میدان میں آئے اور بہت طویل عرصے تک ممبر پارلیمنٹ رہے اور مسلمانوں کے لیڈروں میں سے نمایاں لیڈر ہیں، مسلم انڈیا کے نام سے ایک انتہائی اہم ماہنامہ بھی نکالتے ہیں جس میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق پوری پوری دستاویزات شائع کی جاتی ہیں اور اس طرح اس کے اندر ایک ریکارڈ ریفرنس لائبریری بن رہی ہے، انہوں نے مجھے خط لکھا کہ آپ نے جو یہ تجویز دی ہے یہ بہت صحیح ہے اور انہوں نے اس کی ایک مثال بھی دی۔ انہوں نے کہا کہ یہی انتظام درحقیقت دنیا میں ایک ملک Andorra میں اب بھی موجود ہے۔ میرے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے تحقیق کی، اٹلس دیکھے تو معلوم ہوا کہ پائرینیٹز ماونٹینز جو فرانس کو ہسپانیہ سے علیحدہ کرتے ہیں ان کے دامن میں یہ ایک چھوٹا سا ملک "انڈورا" ہے۔ یہ ملک فرانس کے شہنشاہ Charlemagne نے 803ء میں مسلمانوں سے چھینا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت پورے ہسپانیہ پر تھی۔ بعد میں جب ہسپانیہ کے کچھ اور علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے تو ہسپانیہ نے دعویٰ کیا کہ یہ ہمارا علاقہ ہے۔ اس طرح اس کے دو دعوے دار ہو گئے، فرانس بھی اور ہسپانیہ بھی۔ چنانچہ اس پر سات سو برس

سے ان دونوں کا ایک مشترکہ کنٹرول موجود ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ وادی کی خود مختاری کی صورت میں اس پر پاکستان اور بھارت کا مشترکہ کنٹرول ہو اور پاکستان اور بھارت کے درمیان مفاہمت کی فضا میں یہ طے کر لیا جائے کہ یہاں کسی تیسری طاقت کو قدم جمانے کا موقع نہیں ملے گا۔

میرے نزدیک کشمیر کا مسئلہ تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ایک شق ہے۔ تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کی ایک اور شق بھی ہے جو ہنوز تشنہ تکمیل ہے اور وہ یہ ہے کہ 'مشر پاکستان'، 'مفکر پاکستان'، 'مصور پاکستان' علامہ اقبال مرحوم اور بانی پاکستان 'مؤسس پاکستان' معمار پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم دونوں نے یہ تصور دیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات نہایت گہرے اور دوستانہ ہونے چاہئیں۔ علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں پہلی مرتبہ یہ تصور پیش کیا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو۔ اس خطبے میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ریاست ہندوستان کی محافظ ہوگی اور واقعتاً یہ محافظ ثابت ہوئی ہے۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو ہندوستان میں کمیونزم کے سیلاب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا جو پورے ہندوستان کو بہا کر لے جاتا۔ روس کی طرف سے وہ سیلاب جس شدت سے آیا ہندوستان اس میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا۔ یہ تو پاکستان کی روک تھامی تھی کہ جس نے اس سیلاب کو روکا اور اس طرح بھارت کی حفاظت کی۔ پھر جب قائد اعظم سے پوچھا گیا کہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات کیسے ہوں گے تو فرمایا کہ جیسے کینیڈا اور یو ایس اے کے ہیں۔ یہ صورت حال بھی ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ چنانچہ یہاں پر وہ صلح و آشتی کی فضا پیدا ہونی چاہئے۔

صلح و آشتی کی فضا میں ہمارے لئے ایک کردار ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے اور وہ داعیانہ کردار ہے۔ ہمارے پاس ایک نظام ہے ایک نظریہ ہے۔ بھارت کے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں! بھارت تو مغرب کا اندھا مقلد ہے۔ مغرب کی وہ تہذیب کہ جو خود

اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے، بھارت کے پاس بھی وہی کچھ ہے۔ ہمارے پاس ایک نظریہ ہے، ایمان ہے، قرآن ہے۔ ہمارے پاس اسلام ہے، عادلانہ نظام ہے۔ ہم سے سب سے بڑی کوتاہی جو ہوئی جس کو میں نے آغاز خطاب میں سب سے بڑا جرم اکبر الکبائر قرار دیا تھا کہ ہم نے یہاں اسلام نافذ نہیں کیا۔ پہلے تو ہم یہاں اسلام نافذ کریں تاکہ یہ لائٹ ہاؤس بنے، جو قائد اعظم نے کہا تھا کہ ہم پوری دنیا کے لئے روشنی کا ایک مینار بنانا چاہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ سب سے پہلے بھارت کے ہندوؤں کو قرآن کی انقلابی دعوت سے فتح کرنا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے ہندوستان میں بیس کروڑ مسلمان بستے ہیں اور یہ تعداد آپ کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ وہاں ہر جگہ اردو زبان سمجھی جاتی ہے۔ پوری دنیا کے اندر آپ کو کہیں ایسا علاقہ نہیں ملے گا۔ وہاں ہندوؤں میں آپ قرآن کی دعوت پھیلا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاں تک ہندو کلچر کا تعلق ہے وہ تو اب بھی آ رہا ہے، ویڈیو کے ذریعے سے آ رہا ہے۔ ٹیلی ویژن اور کیبل کے ذریعے سے آ رہا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعے سے آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہے سو نیا گاندھی نے یہ کہا تھا: "We have already conquered Pakistan." — جا کر دیکھ لیجئے، کراچی کے اندر ویڈیو کی دکانیں انڈین فلموں سے بھری ہوئی ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اسلام کی دعوت وہاں نہیں جاسکتی۔ اسلام کا پیغام وہاں نہیں جاسکتا۔ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ دشمنی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری دشمن قوم کا مذہب ہے۔ اس دشمنی کی فضا کچھ کم ہو تو دعوت کی راہ ہموار ہو۔ اگر ایک ہندو کمیونسٹ ہو سکتا ہے تو وہ اسلام کے نظام کو کیوں نہیں قبول کر سکتا؟ مجھے تو پورا اعتماد ہے کہ اگر یہ راستے کھلیں اور اسلام کی دعوت پر وہاں پہنچائی جائے تو ان شاء اللہ العزیز ہندوؤں کے اندر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کھلے ذہن سے سوچیں گے۔

پریس کانفرنس کی غلط رپورٹنگ کے ضمن میں چند وضاحتیں
آخر میں میری پریس کانفرنس کی غلط رپورٹنگ کے ضمن میں چند چھوٹی چھوٹی

وضاحتیں ہیں۔

(۱) پریس کانفرنس میں مجھ سے ایک بات یہ کہی گئی تھی کہ آپ کو کسی باڈے لے کتے نے کاٹا ہے جو آپ خواہ مخواہ ”آئیل مجھے مار“ کے مصداق اس معاملے میں پڑ رہے ہیں۔ دیکھئے میں نے بارہا کہا ہے کہ میرا اصول ”الدين النصيحة“ ہے۔ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، تنظیم اسلامی سیاسی جماعت نہیں ہے، لیکن میں اس ملک کی بہتری اور اسلام کی بہتری کے لئے سوچتا ہوں، غور کرتا ہوں اور میری جورائے ہوتی ہے وہ دیتا ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہیں ہوتی کہ کسی کو اچھی لگے گی یا بری۔ میرے نزدیک جو حق ہے اسے میں بیان کرتا ہوں اور اس میں الحمد للہ میں نے کبھی کوئی compromise نہیں کیا۔ مجھے ٹیلی فون پر دھمکیاں بھی مل رہی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے بہت سے مراعل آئے ہیں کہ مجھے دھمکیاں دی گئی ہیں۔ میں بہر حال اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مثال ہے جنہوں نے دہلی کے ایک حجرے کے اندر بیٹھے ہوئے پورے ہندوستان کا جائزہ لے لیا تھا کہ سارے ہندوستان میں مرہٹہ قوت کا مقابلہ کرنے والی کوئی مسلمان قوت موجود نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ کر ہندوستان بلایا۔ میں انہی کے خادموں میں سے ہوں، ان کے قدموں کی خاک کے برابر ہوں۔ میں اگرچہ سیاسی میدان میں نہیں ہوں، لیکن ملک اور اسلام کی بہتری کیلئے میری جو بھی رائے دیا تھا وہ مجھے پیش کرنی ہے۔

(۲) جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر کے بارے میں جان لیجئے کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ جہاد حریت بھی ایک جائز جہاد ہے اور اس میں جو مسلمان جان دیتا ہے تو اسے شہادت ملتی ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ ایک بالکل مختلف شے ہے۔ یہ صرف اللہ کے دین کے غلبے کے لئے ہوتا ہے، کسی سرزمین کے لئے نہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن

نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی!!

جو لوگ اللہ کے دین کو اپنی جانوں پر اپنے جسموں پر اور اپنے گھروں میں نافذ کر چکے ہوں وہ ایک امیر کی قیادت میں اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جہاد کریں تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔ اور اگر اسلامی حکومت موجود ہے تو حکومت کے تحت جہاد ہوگا پھر آزادانہ طور پر جہاد نہیں ہو سکتا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی یہ شرائط ہیں۔ کشمیر میں جو جہاد جاری ہے اس میں یہ شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ البتہ یہ جہاد حریت ہے، جائز ہے اور اس میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنی جان دیتا ہے تو وہ شہادت کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ)) ”جو مسلمان اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے“۔ اسی طرح اگر آزادی کے حصول کے لئے یا اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے جان دی جائے تو یہ بھی شہادت ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد حریت کے مابین خلط مبحث (Confusion) نہیں ہونا چاہئے۔ اس خلط مبحث کی سب سے بڑی مثال پچاس کی دہائی میں ہونے والا الجزائر کا جہاد حریت ہے جسے اس وقت جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا تھا لیکن جب وہ ”جہاد“ کامیاب ہوا تو اس کے نتیجے میں ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آئی حالانکہ اگر وہ جہاد فی سبیل اللہ تھا تو اس کے نتیجے میں اسلامی ریاست قائم ہونی چاہئے تھی۔ آم کا درخت لگایا گیا تھا تو اس پر آم لگنے چاہئیں تھے اس میں یہ نیم کی نمولی کہاں سے آگئی؟ یہ اس لئے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا، جہاد فی سبیل اللہ حریت تھا، آزادی کے لئے جہاد تھا۔

(۳) ایک بات مجھ سے یہ منسوب کی گئی کہ میں نے مشرف حکومت کے بارے میں فتویٰ دے دیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ دیکھئے اصولی اعتبار سے پاکستان کا نظام کا فرانہ ہے چنانچہ نہ صرف پرویز مشرف کے سارے اقدامات بلکہ خواہ وہ بے نظیر کے ہوں یا نواز شریف کے سب کے سب کا فرانہ ہیں، جب تک کہ یہاں اسلام کی اللہ کی اللہ کے قانون کی اور کتاب و سنت کی غیر مشروط بالادستی قائم نہیں ہوتی۔ لیکن قانونی سطح (لیگل

لیول) پر یہ ایک مسلمان ملک ہے اور یہ سمجھ لیجئے کہ اسلامی فقہ کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی اپنی طاقت کے بل پر آ کر حکومت پر قبضہ کر لے تو اس کا بھی جواز ہے بشرطیکہ وہ کفر کا حکم نہ دے۔ اس معنی میں مارشل لاء کو بھی حرام نہیں کہا جاسکتا۔ اس پہلو سے میں نے پریس کانفرنس میں موجودہ حکومت کے جواز کی بات کی تھی باقی فتویٰ دینے والا میں کون ہوتا ہوں۔

(۴) ”کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے“۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شہ رگ سے بھی زیادہ اہم ہے اس لئے کہ اس پر ہمارا حق ہے اور یہ پاکستان کے لئے ناگزیر ہے۔ باقی یہ کہ شہ رگ کے لئے میں نے اصل میں ایک لطیفہ جمعیت علماء اسلام کے حافظ حسین احمد صاحب کے حوالے سے بیان کیا تھا جو ایک بڑے اچھے مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ صنعت لفظی کے ماہر بھی ہیں۔ انہوں نے ہمارے ہاں کہا تھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک قوم یہ کہتی ہے کہ ہماری شہ رگ کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور وہ پھر بھی پچاس برس سے زندہ ہے۔ تو اس حوالے سے معاذ اللہ کسی کی توہین مقصود نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ ہماری شہ رگ نہ بھی ہو تو بھی ہمارا حق ہے جو ہمیں حاصل کرنا ہے۔ بہر حال اس کی اہمیت ہمارے لئے واقعتاً شہ رگ کی ہے کہ ہمارا پانی زیادہ تر وہیں سے ہو کر آتا ہے دریاے سندھ بھی وہیں سے گزر کر آ رہا ہے، جہلم اور چناب بھی وہیں سے گزر کر آ رہے ہیں تو اس اعتبار سے یہ ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری زندگی پانی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ یعنی ”ہم نے پانی ہی کے ذریعے سے تو ہر شے کے اندر حیات پیدا کی ہے“۔

(۵) باقی معاملات کے ضمن میں، مثلاً Confidence building

measures یا تجارتی روابط وغیرہ میں بھی میری رائے وہی ہے کہ پہلے کشمیر کے مسئلے میں اگر کم از کم دو چیزوں کے بارے میں پیش رفت ہو جائے، یعنی یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تنازعہ ہے اور دوسرے یہ کہ اسے چھ ماہ کے اندر اندر حل کرنے کا وعدہ

لے لیا جائے تو اس کے بعد ان معاملات پر بات چیت میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) چین سے ہمارا تعلق کسی صورت کمزور نہیں ہونا چاہئے۔ امریکہ اور یو این او کی اپنی سکیمیں کیا ہیں! وہ اپنی سکیمیں اپنے ذہن میں رکھیں۔ افغانستان میں ان کی سکیم کیا تھی اور اللہ نے اس سے کیا برآمد کر دیا! انہوں نے افغانستان کے ذریعے سے USSR کو ختم کر لیا، لیکن اسلامک فنڈ منٹلزم ان کے سر پر سوار ہو گیا۔ یعنی من در چہ خیال و فلک در چہ خیال! ﴿إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا﴾ امریکہ کی چالیں اپنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر اپنی ہے۔ ہمیں امریکہ سے، بھی تعلقات بہتر بنانے چاہئیں لیکن چین کے ساتھ اپنے ریلو و تعلق کے اندر کوئی کمزوری نہیں آنے دینی چاہئے۔

(۷) میں حیران ہوں کہ صحافت کا معیار کیا ہو گیا ہے۔ ایک اخبار نے میرے حوالے سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میں نے قائد اعظم کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے بارے میں بھی یہ کہا کہ وہ بھی تھرڈ آپشن کے قائل تھے۔ علامہ اقبال کے زمانے تک کسی آپشن کا کیا سوال تھا؟ وہ تو میں نے یہ کہا تھا کہ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں اس کے قائل تھے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات بہت برادرانہ ہونے چاہئیں۔ باقی یہ کہ تھرڈ آپشن کی بات قائد اعظم نے کی تھی۔ اس کا شہادت میں نے آپ کے سامنے پاکستان ٹائمز کے حوالے سے پیش کر دیا ہے۔

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَانِي الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

پاک بھارت تعلقات

امیر تنظیم اسلامی کا ۲۰ جولائی ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

﴿أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝﴾ (النحل: ۱۲۵-۱۲۸)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

پچھلے جمعہ میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی تھی کہ مسئلہ کشمیر کا قابل قبول اور قابل عمل حل کیا ہے۔ اور اس کے ضمن میں خاص طور پر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اسے اصل میں تقسیم ہند کی روح کے مطابق حل کیا جانا چاہئے۔

صدر پرویز مشرف کا دورہ بھارت

اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کہ ہفتے کے روز ہمارے چیف ایگزیکٹو جو اب صدر بھی ہیں دہلی گئے اور یہ دن ان کا دہلی میں مختلف تقریبات میں صرف ہوا۔ وہاں وہ اپنے اس مکان کو بھی دیکھنے گئے جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور چار سال کی عمر تک جہاں وہ رہے تھے۔ گاندھی جی کی سادھی پر انہوں نے پھول بھی چڑھائے اور بڑی ہی آؤ بھگت ذوق و شوق اور شان و شوکت کے ساتھ ان کا استقبال ہوا۔ لیکن اصل مسئلہ

اتوار کی صبح کو شروع ہوا جب آگرہ میں مذاکرات کا آغاز ہوا۔ شروع میں اس کے بارے میں بڑی پُر امید خبریں آرہی تھیں۔ ایک وہ ملاقات کہ جو پندرہ منٹ کی ہونی تھی وہ شاید ۱۰۵ منٹ تک جاری رہی اور بڑے خوبصورت انداز اور بہت ہی مناسب ماحول میں گفتگو جاری تھی۔ پھر رات کو دوبارہ ان کے مذاکرات ہوئے۔ اس وقت تک بھی ماحول بہت عمدہ تھا اور محسوس ہو رہا تھا کہ بڑے اچھے انداز سے بات آگے بڑھ رہی ہے۔

لیکن پیر کی صبح جنرل پرویز مشرف صاحب نے ناشتے کی میز پر وہاں کے بعض صحافی حضرات سے جو گفتگو کی اس نے واقعہ یہ ہے کہ پوری فضا کو بدل کر رکھ دیا۔ ان کی وہ گفتگو بہت ہی مؤثر اور فیصلہ کن تھی، اس نے دیکھنے اور سننے والوں کو قائل کیا۔ وہاں پر بڑے بڑے صحافی اور دانشور حضرات بھی ان کے موقف کے قائل ہوئے۔ یہ وہ بات تھی کہ جسے ہندوستان کی قیادت میں خاص طور پر جو hawks ہیں اور جو اپنے انداز میں زیادہ تیز اور تند ہیں، ہضم نہیں کر سکے۔ وہیں سے اصل میں پورے مذاکرات کا ماحول بدل گیا۔ ایک متفقہ بیان جو تیار کیا جا رہا تھا، اگرچہ کئی مرتبہ اس میں تبدیلیاں بھی ہوئیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واجپائی صاحب تو اس پر بہر طور آمادہ تھے کہ اس کا ایک حسب دل خواہ متن معین ہو جائے، لیکن جیسا کہ بعد میں ہمارے جنرل راشد قریشی صاحب نے کہا کہ کوئی خفیہ اور پوشیدہ ہاتھ تھا جو اس معاملے میں روڑے اٹکار رہا تھا۔ بہر حال اس کی جو صورت شام کو پیدا ہوئی وہ رات گئے تک اس طرح سامنے آئی کہ اب یہ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے وہ جو ایک امید کی کیفیت پیدا ہوئی تھی اور اتوار کے روز اسی کے مطابق حالات بڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے، اس پر اس پڑ گئی اور مایوسی کی کیفیت طاری ہوئی۔ البتہ بعد میں یہ کہا گیا کہ یہ مذاکرات ناکام نہیں ہوئے، بلکہ نامکمل رہے ہیں۔ inconclusive اور incomplete ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تاویل بہتر بھی ہے، صحیح بھی ہے۔ اس

اعتبار سے بھی کہ واقعتاً گفتگو بہت ہوئی ہے اور اچھے ماحول میں ہوئی ہے۔ بہت حد تک ایک دوسرے کے موقف کو سمجھا گیا ہے اور بلاشبہ پاکستان نے بہت سے پوائنٹس سکور کئے ہیں۔ اور اس اعتبار سے بھی یہ تاویل لینا مناسب ہے کہ مع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ! ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ یہ جو سلسلہ مذاکرات ہیں اگرچہ ان کی پہلی کڑی بظاہر ناکام کہہ لیں یا نامکمل کہہ لیں، نتیجہ خیز نہیں ہو سکی، لیکن اس سے جس عمل کا آغاز ہوا ہے امید کرنی چاہئے اور دعا بھی کرنی چاہئے کہ وہ عمل آگے بڑھے۔

بہر حال ایک بات بالکل واضح ہے کہ ان مذاکرات کے نتیجے میں جنرل پرویز مشرف صاحب کا قد کاٹھ بڑھ گیا ہے۔ ان کی ایک بات تو بالکل واضح طور پر یہ سامنے آئی کہ ان کا موقف بالکل واضح تھا اور انہوں نے اس کو دو ٹوک انداز میں بیان کیا۔ کوئی سیاست دانوں جیسی ایچ پیج یا ہیر پھیر نہیں تھا۔ پھر یہ کہ مسلسل consistency رہی۔ جو بات وہ پاکستان میں کہتے رہے تھے وہی بات انہوں نے وہاں جا کر کہی کہ اصل کور ایجو (core issue) کشمیر کا ہے، باقی سب باتیں ثانوی ہیں۔ باقی سارے مسئلے بعد میں دیکھے جائیں گے، پہلے اس ایجو پر بات ہونی چاہئے۔ انہوں نے وہاں بھی کہا کہ کور (core) نہ کہیں اہم کہہ لیں، اہم ترین کہہ لیں۔ جو چاہیں کہہ لیں، لیکن اصل مسئلہ جو ہمارے مابین باعث نزاع ہے وہ کشمیر کا ہے۔ تو جس قدر صاف گوئی کے ساتھ انہوں نے وہاں کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود وہاں کے صحافی حضرات بھی پاکستان کے موقف کے بہت حد تک قائل ہوئے اور دانش ور اور عوام بھی۔ اور وہاں اس کا جو بھی اثر پڑا ہے اس کا اندازہ بال ٹھا کرے کی اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ”جنرل صاحب تو پریڈ کرتے ہوئے آئے اور فاتح ہو کر واپس چلے گئے“۔ یعنی یہ اندازہ بھارت کے کٹر اور تنگ نظر ہندو طبقے کا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف صاحب یہاں سے کامیاب ہو کر گئے ہیں جبکہ ہماری حکومت ناکام رہی ہے۔

اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ خود جنرل پرویز مشرف نے یقیناً اپنے مستقبل کے کیریئر کے لئے کچھ پوائنٹس سکور کئے ہیں اور اندازہ یہی ہوتا ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خان اور جنرل ضیاء الحق کی مانند ان کا جو ایک لمبی انگڑ کھیلنے کا ارادہ ہے، اس دورے نے یقیناً اس کو تقویت پہنچائی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی اخبارات میں آئی ہے کہ ان کی مقبولیت کا گراف جو کچھ نیچے ہو گیا تھا اس جگہ سے کہ جہاں وہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو تھا، اب دوبارہ بالکل اسی جگہ پہنچ چکا ہے۔ بھارت کا معاملہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ اس کا امیج بہت سے اعتبارات سے مجروح ہوا ہے۔ پہلی سیدھی سی بات تو یہ تھی کہ اگر تم نے کشمیر کے مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا تھی تو پھر جنرل پرویز مشرف کو دعوت کس بات کے لئے دی تھی؟ انہوں نے تو یہ بات کبھی چھپا کر نہیں رکھی تھی کہ اصل مسئلہ کشمیر کا ہے اور اگر بات ہوگی تو کشمیر پر ہوگی۔ انہوں نے کبھی ذومعنی بات نہیں کی، کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، کہیں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا کہ جس سے دوسرا بھی کوئی امکان ہو۔ جیسے ہی وہ اقتدار میں آئے تھے اس دن سے لے کر اب روانگی کے آخری وقت تک وہ برملا کہتے رہے ہیں کہ میں مذاکرات کے لئے کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت، کسی بھی لیول پر تیار ہوں، لیکن core ایشو کشمیر کا ہے۔ اب اتنی واضح بات کے بعد بھی اگر اس کے ضمن میں کوئی بات نہیں کرنی تھی تو ہندوستان جو ایک بہت بڑا ملک ہے اور اس کی ایک بڑی حکومت ہے، دنیا میں اس کا مقام جمہوری حکومت ہونے کے اعتبار سے بھی بلند ہے، حکومتی سطح پر اس کا امیج بحیثیت مجموعی یقیناً مجروح ہوا ہے۔

پھر ایک اور چیز جو سامنے آئی ہے وہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی ہے کہ جس شان کے ساتھ استقبال کیا گیا تھا، جب ذرا معاملات ٹھیک نہیں ہوئے ہیں تو واپسی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا کہ الوداع کہنے کے لئے کوئی اہم آدمی موجود نہیں تھا، کوئی پروٹوکول نہیں دیا گیا۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنے کسی نجی دورے پر آئے ہوں اور اپنا کام کر کے واپس جا رہے ہوں اور یہ کوئی سرکاری دورہ تھا

ہی نہیں۔ یہ بہت ہی گھٹیا اور رکیک حرکت ہے۔ اور یہ درحقیقت عام ہندو نفسیات ہے جس کا ایک ظہور ہوا ہے کہ ان معاملات میں پروٹوکول اور آداب کا جس حد تک لحاظ رکھا جانا چاہئے ہندو اس حد تک اس کی پابندی کرنے کو بھی تیار نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ واجپائی صاحب کی statesmanship یقیناً گہنا گئی ہے۔ ان کا ایک مقام تھا۔ یقیناً وہ اس وقت ہندوستان کے معمر ترین سیاست دان ہیں، ان کا طویل ترین وقت سیاست میں گزرا ہے۔ پھر یہ کہ اگرچہ ان کا تعلق کٹر ہندو مذہبی لوگوں کے ساتھ ہے لیکن ان میں بھی ان کو ہمیشہ زیادہ معقول اور معتدل آدمی سمجھا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہر حال ان کا امیج خراب ہوا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بی جے پی کے اندر تقسیم ہے۔ اس میں hawks ہیں کہ جو کسی شکل میں بھی پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر نہیں کرنا چاہتے۔ ایل کے ایڈوانی ہیں، مرلی منوہر جوشی ہیں۔ اور اس بات کا بھی پتہ چلا کہ واجپائی صاحب کی اپنی پارٹی پر گرفت پوری طرح مضبوط نہیں ہے۔ اس اعتبار سے واجپائی صاحب کی شخصیت کو بھی دھچکہ لگا ہے اور بی جے پی کے اختلافات اس طریقے سے سامنے آنے سے اس پارٹی کے امیج کو بھی نقصان پہنچا ہے۔

پاک بھارت تعلقات کے ضمن میں بانیان پاکستان کے تصورات

میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ کشمیر کا حل وہ ہونا چاہئے کہ جو تقسیم ہند کی روح کے مطابق ہو اور اس کے ایجنڈے کی ایک نامکمل شق کو پورا کرنے کے اعتبار سے ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پاکستان کے Founding Fathers اور مؤسسین کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ان میں سب سے پہلے علامہ اقبال کا نام آتا ہے، اس لئے کہ مصور پاکستان، مفکر پاکستان، مبشر پاکستان علامہ اقبال ہیں۔ پھر قائد اعظم ہیں کہ جنہوں نے ۱۹۳۷ء کے بعد سے قیادت سنبھالی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہی کی ولولہ انگیز قیادت کے نتیجے میں وہ خواب جو علامہ اقبال نے دیکھا تھا، اس کی ایک تعبیر سامنے

آئی اور بالفعل پاکستان کا قیام ممکن ہوا۔ چنانچہ ان دونوں نے جو بات پاکستان اور بھارت کے تعلقات کی نوعیت سے متعلق کہی تھی وہ اب ہمارے ذہنوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے اور جس کا اب کبھی تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔ آج اصل میں میری گفتگو اسی موضوع پر ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں ایک جملہ کہا تھا جو اس سے پہلے میں نے کبھی quote نہیں کیا، لیکن آج میں نے اسے نوٹ کیا ہے۔ علامہ نے فرمایا تھا کہ ”ہندوستان (یعنی یونائیٹڈ انڈیا) دنیا میں عظیم ترین اسلامی ملک ہے“ ظاہر بات ہے کہ اُس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ اتنی تعداد کا کسی اور جگہ پر ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ آج اگر پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے مسلمانوں کو جمع کر لیا جائے تو پچاس کروڑ مسلمان بنتے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ جب ہندوستان کے شمال مغرب میں آزاد مسلمان ریاست قائم ہو جائے گی اور جسے انہوں نے کہا تھا کہ ”میں اسے تقدیر مبرم سمجھتا ہوں“ یعنی یہ ہو کر رہے گا، یہ لازمی ہے۔ فرمایا ”اب اس شکل میں سیاست کا نظام مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح اگر شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کو ترقی کے بھرپور مواقع میسر آئیں گے تو وہ خود کو بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت کر سکیں گے، خواہ یہ بیرونی حملہ نظریات کا ہو یا سنگینوں کا“۔ یعنی مصور پاکستان، مبشر پاکستان، مفکر پاکستان یہ نظریہ رکھتے تھے کہ پاکستان بھارت کا محافظ ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ ہندوستان میں جب بھی حملہ آور آئے ہیں وہ شمال مغرب کی طرف سے آئے ہیں، افغانستان کے راستے سے، درہ خیبر سے ہو کر آئے ہیں۔ کوئی بھی آئے، ہن آئے، آریا آئے، پھر جب مسلمان آئے، غوری آئے، غزنوی آئے وغیرہ وغیرہ جو بھی آئے، جب بھی آئے، وہیں سے آئے۔ تو ایک یہ کہ اس اعتبار سے پاکستان گویا کہ ان کے راستے میں اور آئندہ کسی بھی آنے والے کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ثانیاً نظریاتی حملے

کے راستے میں بھی رکاوٹ ہوگا۔ اور میں حیران ہوتا ہوں کہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت دنیا میں ایک ہی نظریہ تھا جو بڑی تیزی کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ وہ کمیونزم کا نظریہ تھا اور کوئی نظریہ اس کے مقابلے میں تھا ہی نہیں۔ اسلام تو ابھی نوآبادیاتی دور سے گزر رہا تھا، اکثر و بیشتر مسلمان ممالک ابھی غلام تھے لہذا ابھی اسلام کا کسی نظریے اور نظام کی حیثیت سے کسی جگہ قابل شمار گردانا جانا خارج از بحث تھا۔ دنیا میں جو باقی نظریات تھے وہ خطرے میں تھے اور پھر پورے ویسٹ کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کمیونزم کا سیلاب بہا کر لے جائے گا، تو یہاں نظریاتی حملہ مراد ہے۔ چنانچہ بقول علامہ اقبال بیرونی حملہ خواہ وہ نظریاتی ہو یا سنگینوں کا ہوا ان دونوں اعتبارات سے یہ جو ہندوستان کے شمال مغرب میں مجوزہ ملک ہے (جسے آج ہم پاکستان کے نام سے جانتے ہیں) وہ بھارت کا محافظ ہوگا۔

قائد اعظم کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ: پاکستان کے بھارت کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہوں گے؟ تو انہوں نے کہا تھا ”بالکل اسی طرح کے ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے ہیں“۔ یہ دو Sister Countries ہیں ان میں ویزا اور پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔ اگر امریکہ کا کوئی شہری کینیڈا جانا چاہے تو اس کے پاس صرف اپنے امریکی ہونے کا کوئی ثبوت ہونا چاہئے، چاہے اس کے پاس صرف ڈرائیونگ لائسنس ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ امریکہ کا شہری ہے۔ چنانچہ اسے دکھا کر وہ کینیڈا جاسکتا ہے اور اسی طرح کینیڈا کا شہری امریکہ آسکتا ہے۔ بظاہر اگرچہ دو ملک ہیں ان کی معیشت میں بھی خاصا تفاوت ہے۔ کینیڈا کی معاشی حالت آج کل خاصی خراب ہے جبکہ امریکہ کی بہت بہتر ہے۔ امریکن کینیڈا کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو اپنی معیشت کے اعتبار سے تیسری دنیا کے ممالک میں شامل ہو چکا ہے۔ اس کے ڈالر کی قیمت بھی امریکی ڈالر کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ لیکن جہاں تک سماجی معاملات ہیں آمد و رفت کا معاملہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو برابر

ملک ہوں۔ اس اعتبار سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جو قائد اعظم اور علامہ اقبال نے کہا تھا اب رفتہ رفتہ فضا اس کے لئے تدریجاً سازگار ہو رہی ہے۔

ہندو مسلم دشمنی کا گراف — ایک جائزہ

جیسا کہ میں نے اپنے گزشتہ خطاب میں کہا تھا، اصل میں ہندو مسلم دشمنی اور منافرت کی چارتھیں ہیں: (۱) ہندو کی روایتی تنگ نظری، چانکیہ کی سیاست، (۲) ہندو مسلمانوں کا غلام رہا، کہیں ہزار برس اور کہیں آٹھ سو برس، اس کا ایک رد عمل اور نفرت، (۳) انگریزوں نے ’’تقسیم کرو اور حکومت کرو‘‘ (Divide and rule) کی پالیسی اختیار کر کے اس جلتی پرتیل ڈالا اور ایک دوسرے کے خلاف شدید منافرت اور دشمنی پیدا کر دی کہ یہ آپس میں لڑیں گے اور اس طرح ہمارے لئے ان پر حکومت کرنا آسان ہوگا۔ اگر متحد ہو جائیں گے تو ہم سے آزادی مانگیں گے۔ اور (۴) سازش کے طور پر کشمیر کا مسئلہ پیدا کر دیا اور یہ ہڈی (bone of contention) ان کے درمیان ڈال دی تاکہ یہ آپس ہی میں لڑتے رہیں اور سابق حکمران یعنی انگریزوں کے خلاف ان کے اندر دشمنی کے یا انتقامی جذبات پروان نہ چڑھ سکیں۔

اب یہ چیزیں ذہن میں رکھئے کہ ایک تو انگریز کو یہاں سے رخصت ہوئے نصف صدی سے زائد ہو گئی۔ ان پچاس چون برسوں کے دوران وہ نسل جو ’’تقسیم کرو اور حکومت کرو‘‘ کی پالیسی کے اثرات کے تحت پروان چڑھی تھی، ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ پچاس برس میں تو دو نسلیں بیت جاتی ہیں۔ پچیس برس نوع انسانی کی ایک نسل شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ تیسری نسل سامنے آ چکی ہے۔ لہذا divide and rule کی پالیسی کا معاملہ اب بہت دور جا چکا ہے۔ اُس کے اثرات یقیناً کم ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے جو دشمنی اُس وقت تھی آج اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خدا نخواستہ اُس وقت ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے وجود میں آ جاتا تو ہندوؤں نے مسلمانوں سے اقلیت ہونے کی بناء پر جو انتقام لینا تھا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر بہت بڑی رحمت ہوئی کہ ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد نہیں ہوا، بلکہ پاکستان اور بھارت دو علیحدہ ملک وجود میں آئے۔ لیکن اب صورتِ حال میں یقیناً فرق واقع ہوا ہے۔ وہ اثرات جو انگریزوں کے پیدا کردہ تھے اور نفرتوں کے اندر اضافہ کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ عامل اب یقیناً کم ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ بھی ایک عجیب بات ہے اور اس کے لئے بھارتی سماج کے ذرا گہرے مشاہدے کی ضرورت ہے کہ ہندو سماج کے اندر جو حیثیت برہمن کو حاصل تھی وہ سارے فساد کی جڑ تھی۔ وہ تو گویا مذہب کا پورا ٹھیکے دار تھا، اس کے بغیر کوئی مذہبی تقریب، کوئی رسم ادا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ گویا کہ ہندو مذہب کی چکی اسی کے گرد گھومتی تھی۔ پھر یہ کہ اس نے جو تقسیم کی تھی کہ سب سے اوپر برہمن، پھر کھشتری یعنی راجپوت، زمیندار، پھر ویش یعنی کاروباری لوگ، بننے اور پھر آخر میں شودر، اس کے اثرات بھی اب کافی حد تک کم ہوئے ہیں۔ اس تقسیم میں شودروں کا حال یہ تھا کہ ان کا وید کے اشلوک پڑھنے کا تو کیا سوال! وہ تو نہ پڑھ سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں، کہیں اگر اتفاق سے کوئی شودر گزر رہا ہو، وہاں وید پڑھا جا رہا ہو تو اس کے کان میں اگر اس کے کچھ اشلوک چلے گئے تو اس کا علاج یہ ہوگا کہ سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں ڈال دیا جائے تاکہ اس کی سماعت ہی ختم ہو جائے اور ویدوں کے اشلوکوں کے وہ اثرات جو اس کے کانوں میں پہنچ گئے ہیں، وہ وہیں کے وہیں ختم ہو جائیں۔ اب صورت حال یہ نہیں ہے۔ بھارت کے معاشرے میں تدریجاً ایک انقلاب بہت حد تک آچکا ہے۔ اب برہمن کی وہ پوزیشن نہیں ہے۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ مثلاً:

(۱) وہاں اب سیکولرزم کا دور دورہ ہے اور ان کی ٹڈل کلاس واقعتاً سیکولر ذہن کی ہے۔ سرکاری ملازم، دانشور لوگ، پڑھے لکھے لوگ، کاروباری آدمی، پروفیشنلز، یہ سب لوگ واقعتاً سیکولر ذہن کے ہیں۔ اور سیکولر نظام کے اندر پھر برہمن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ برہمن کا وہ مقام ختم ہو چکا ہے۔ سیکولرزم کی وجہ سے ہندو معاشرے کے

اندر برہمن کی پیدا کردہ خباثت کی حیثیت کم ہو گئی ہے۔

(۲) بھارت میں ابتداء ہی سے کانگریس کی حکومت کے تحت یہ کوشش ہوتی رہی کہ شودروں کو بھی اونچا اٹھایا جائے، اگرچہ عام طور پر اس کی بڑی شدید مخالفت ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو سوشلسٹ تھے۔ ظاہر بات ہے کہ سوشلسٹ آدمی کے نزدیک یہ اونچ نیچ، شودر اور برہمن کی تقسیم بے معنی شے ہے۔ لہذا وہاں یہ کوشش کی گئی کہ ان کے حقوق کو تحفظ دیا جائے اور ان کے لئے بھی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سیٹیں رکھی جائیں، تاکہ ان کو داخلہ ملے، تعلیم حاصل کریں، ملازمتوں میں ان کا حصہ رکھا جائے۔ اس پر بڑے فسادات بھی ہوئے اور اونچی ذات کے ہندوؤں نے نیچی ذات کے ہندوؤں کی پوری پوری آبادیاں جلا کر راکھ کر دیں۔ یہ سب ہوا ہے اور دنیا میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی ڈیموکریسی امریکہ ہے، لیکن وہاں بھی کالے اور گورے کے درمیان فرق و امتیاز کو ختم کرنے کے لئے امریکیوں کو بہت جدوجہد کرنی پڑی۔ انہیں پوری جنگ کرنی پڑی ہے۔ آسانی کے ساتھ وہاں کے لوگ ان غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ ہمارے غلام، یہ افریقی، ہم انہیں آزاد کر دیں اور یہ ہمارے برابر کے ہو جائیں اور ان کو بھی ایک ووٹ مل جائے جیسا کہ ایک ووٹ ہمارا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ناممکن تھا۔ چنانچہ امریکیوں کے ذہنوں میں یہ بات اتارنا اور ان کے حلق سے یہ کڑوی گولی اتروانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اب بھی وہاں پورے طور پر یہ اثرات ختم نہیں ہوئے ہیں۔ احساسات تو ختم نہیں ہوتے۔ لیکن وہاں ان احساسات کے اندر رنگ کا ایک بڑا فرق نمایاں ہے کہ ایک شخص سیاہ فام اور ایک شخص سرخ و سفید ہے۔ ہندوستان میں رنگ کا نمایاں فرق تو نہیں ہے۔ شودر بھی اسی رنگ کے ہیں جیسا کہ اوپر والی ذات کے راجپوت یا ویش۔ شکل و صورت اور رنگ کا تھوڑا بہت علاقائی فرق تو ہوتا ہی ہے، لیکن ان چار ذاتوں

کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ بہر حال اس دوران یہ ہوا ہے کہ شمالی ہند میں یاد و جو کہ گھٹیا لوگ کہلاتے ہیں ان میں سے ملائم سنگھ یاد و چیف منسٹر رہا ہے۔ اب یہ لوگ سیاسی اعتبار سے بہت آگے آچکے ہیں اور ان کی ایک حیثیت ہے۔ بہار اور یوپی کے اندران کی سیاسی حیثیت بہت مضبوط ہو چکی ہے۔ اب وہاں پر برہمن کا راج نہیں ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند میں دلچ ایک بہت بڑی تحریک ہے۔ ان کے پرچے اور اخبارات نکلتے ہیں۔ اور وہاں پر واقعہ یہ ہے کہ وہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آگرہ کے جو مذاکرات ابھی ہوئے ہیں چاہے انہیں ناکام کہیں یا ناکمل کہیں اس سے بی جے پی کو ایک زبردست دھچکا لگا ہے۔ ویسے بھی کچھ تجربہ نگار یہ نگار یہ کہہ رہے ہیں کہ بی جے پی اپنے climax پر آ کر اب down fall کی طرف جا رہی ہے۔

اصل میں ہندوستان میں ہندو فنڈا منٹلزم اور مذہبی شدت جس وجہ سے پیدا ہوئی اسے ذہن میں رکھئے۔ میں پہلے آپ کو اپنا تجربہ بتا دیتا ہوں کہ پہلی مرتبہ میں ۱۹۸۰ء میں ہندوستان گیا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں سلیمانکی ہیڈ ورکس سے دریائے ستلج عبور کیا تھا تو ہندوستان چھوڑ کر پاکستان میں داخل ہوا۔ اس کے بعد تینتیس برس تک یہ سرحد کی لائن عبور کرنے کا موقع نہیں آیا۔ ۱۹۸۰ء میں پہلی مرتبہ وہاں گیا تو وہاں کے مشاہدات میں نے مسجد شہداء میں اپنے ایک خطاب میں آ کر بیان کئے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ خطاب جمعہ تھا یا کوئی علیحدہ سے جلسہ تھا۔ وہاں میں نے اپنی دو observations کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا تھا۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان میں کوئی مرکزی یا وحدانی نیشنلزم پروان نہیں چڑھ سکا بلکہ Regionalism اور علاقائیت کا دور دورہ ہے۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں کی ریاستوں کی اپنی اپنی زبانیں ہیں۔ وہاں کی ریاستی اسمبلی اور ریاستی حکومت کی کارروائی بھی ان کی اپنی زبان میں ہوتی ہے۔ صرف مرکزی حکومت کے ساتھ رابطے کے لئے انگریزی ہے ہندی کو تو انہوں نے قبول ہی نہیں کیا۔

جنوبی ہند میں اس پر بڑے بڑے فساد ہوئے۔ انہوں نے ہندی کی بالادستی گوارا کرنے کے لئے قطعاً آمادگی ظاہر نہیں کی۔ تو ایک تو یہ کہ وہاں کوئی ایک نیشنلزم پر وان نہیں چڑھ سکا۔ اور اگر ایک نیشنلزم پر وان چڑھ جاتا تو وہ پاکستان کے لئے خطرہ بنتا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اُس وقت یہ کہا کہ میں یہ دیکھ آیا ہوں کہ ہندو مذہب کا وہاں قطعاً کوئی احیاء نہیں ہوا۔ اگر ہندو مذہب کا احیاء ہو جاتا تو وہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے خوفناک بات تھی۔ یہ دونوں چیزیں ۱۹۸۰ء تک ہندوستان میں نہیں تھیں۔

اس کے بعد ایک واقعہ ہوا، وہ یہ کہ اندرا گاندھی ایک الیکشن میں ہار گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلم ووٹ ایک ٹھوس ووٹ بینک کی حیثیت سے اس کے خلاف گیا۔ کیونکہ وہاں آبادی کی منصوبہ بندی کے لئے نس بندی کا معاملہ جبراً کیا جا رہا تھا کہ مرد کی نس کچل دی جائے تاکہ اس کا مادہ تولید آہی نہ سکے، تو ظاہر ہے کہ پھر اس سے بچہ نہیں ہوگا اور حمل ہی نہیں ٹھہرے گا۔ اس سے مسلمانوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ شاید ہمیں ٹارگٹ بنایا جا رہا ہے اور اس طرح سے مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کی شرح پیدائش کم ہو جائے، بلکہ ختم ہو جائے، تاکہ اقلیت میں تو یہ ہیں ہی اور بھی زیادہ minute اقلیت بن جائیں۔ چنانچہ رد عمل کے طور پر مسلمانوں کو جبری نس بندی کے خلاف جو ایک غصہ آیا تو پھر نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا ووٹ کانگریس کے خلاف استعمال ہوا۔ نتیجتاً اندرا گاندھی ہار گئی۔ چنانچہ پھر اس کی تلافی کے لئے اس نے یہ راستہ تلاش کیا کہ اگلے الیکشن میں پھر وہ ہندی دیوی بن کر اور مذہبی روپ اختیار کر کے سامنے آئی۔ لہذا اس نے سارے پنڈتوں سے جا کر ملاقاتیں کیں، بڑے بڑے مندروں کے اندر جا کر پوچھیں کیں، اپنے آپ کو ہندو مذہب کے ساتھ identify کیا، تاکہ اب ہندو ووٹ ایک ٹھوس ووٹ بینک کی حیثیت سے اس کے استعمال میں آئے۔ نتیجتاً اگلے الیکشن میں وہ دوبارہ کامیاب ہو گئی۔ لیکن اس عمل سے ہندو فنڈ منگلوں کا وہ جن جو اب تک بوتل میں بند تھا، وہ باہر نکل آیا۔ اس زمانے

میں ٹیلی ویژن میں رامائن وغیرہ پر بہت لمبے لمبے فیچرز اور بڑی لمبی لمبی سیریز دکھائی گئیں۔ اس سے بھی ہندوؤں کے اندر اپنے ماضی کا احساس اجاگر ہوا۔

یہ ہے وہ صورت حال جس کے نتیجے میں وہاں سنگھ پر یوار جس کا کہ ایک فیئر بی جے پی ہے ان کو یہ حیثیت حاصل ہوئی کہ اس وقت ان کی حکومت قائم ہے۔ اگرچہ یہ حکومت ان کے اپنے بل پر نہیں ہے بلکہ تیس پارٹیوں کی کولیشن ہے اور ان تیس پارٹیوں کی کولیشن کو قائم رکھنے والی اصل شخصیت صرف اٹل بہاری واجپائی کی ہے۔ بی جے پی کا کوئی دوسرا شخص درحقیقت ان پارٹیز کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں پر ایک عجیب dilemma سا پیدا ہو گیا ہے کہ ایک طرف بی جے پی کی انتہا پسند قیادت ہے کہ جو واجپائی کو پسند نہیں کرتی۔ اس لئے کہ واجپائی اپنے آپ کو معتدل کم از کم ظاہر تو کر ہی رہا ہے۔ پھر وہ پاکستان کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے لئے اور کسی درجے میں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ آمادہ ہے تو بی جے پی کے اندر جو سخت عناصر ہیں، مرلی منو ہر جوشی کی قسم کے لوگ، وہ واجپائی کے شدید مخالف ہیں۔ لیکن واجپائی ان کے لئے ناگزیر ہے اس لئے کہ انہیں پتہ ہے کہ اگر واجپائی ہٹتا ہے تو ہماری حکومت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ باقی تیس اتحادی جماعتیں ساتھ نہیں دیں گی۔ وہ تو اسی طور پر ساتھ دے رہی ہیں کہ یہاں پر واجپائی ہے۔ چنانچہ بی جے پی نے جو الیکشن جیتا تھا اور جس درجے میں بھی جیتا اس کے منشور کے تین ایٹوز وہ ہیں کہ جو بی جے پی کو اتحادی جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے پیچھے رکھنے پڑے ہیں۔ ان میں ایک معاملہ یہ تھا کہ ہم فوراً رام مندر تعمیر کر دیں گے، لیکن اس کو بھی انہوں نے پیچھے رکھ دیا۔ کولیشن میں جو دوسری جماعتیں ہیں وہ سب علاقائی جماعتیں ہیں، وہ کٹر قسم کی ہندو جماعتیں نہیں ہیں لہذا وہ اس معاملے میں ان کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اسی طرح کشمیر کے بارے میں دستور ہند میں جو ایک خصوصی دفعہ ہے اس کو بھی انہوں نے ختم کرنے کا کہا تھا، لیکن وہ بھی ختم نہیں کی۔ اور تیسری یہ کہ مسلمانوں پر

لازمی اور جبری طور پر ایک کامن سول کوڈ مسلط کر دیں گے کہ نکاح، طلاق اور سارے سماجی معاملات میں ایک ہی قانون ہونا چاہئے اور راجیو گاندھی نے جو یہ طے کر دیا تھا کہ ہندوستان کی کوئی عدالت، بشمول انڈیا کی سپریم کورٹ، مسلمانوں کے عائلی معاملات میں دخل نہیں دے سکتی، اس کو ختم کرنا بی جے پی کے منشور کا ایک حصہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس ضمن میں بھی کوئی پیش قدمی نہیں کی، اس لئے کہ تیس کولیشن پارٹیز ساتھ دے رہی ہیں تب تو حکومت قائم ہے، ورنہ حکومت ختم ہو جائے گی۔ بہر حال اس سے بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ فضا بہتر ہوئی ہے اور اب اس سے یقیناً حالات ایسے پیدا ہونے کی توقع ہے کہ وہ خواب جو علامہ اقبال نے دیکھا تھا، یا وہ خواب جو قائد اعظم نے دیکھا تھا، شاید اس کی طرف کچھ پیش رفت ہو سکے۔ اس اعتبار سے یہ بڑی اچھی خبر آئی ہے کہ بھارت کے وزیر خارجہ جسونت سنگھ کو ہمارے وزیر خارجہ نے پاکستان آنے کی دعوت دی ہے جو انہوں نے قبول کر لی ہے۔ اسی طرح واجپائی صاحب نے بھی کہا ہے کہ میں پاکستان جاؤں گا۔ اور یہاں بھی بعض لوگ پرویز مشرف صاحب کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ جو بھی دعوت وہاں دے کر آئے ہیں اس کی تجدید کریں، اس کی توثیق کریں اور بڑے ہی مضبوط انداز میں دعوت دیں، تاکہ واجپائی صاحب پاکستان آئیں۔

صلح و آشتی کی فضا کی اہمیت

اگلی بات جو میں اس معاملے میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صلح و آشتی کی فضا کو میں خاص طور پر کس چیز کے لئے ایڈووکیٹ کر رہا ہوں۔ دیکھئے صلح و آشتی کی فضا میں ہمارا داعیانہ کردار ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔ نفرت اور دشمنی کی فضا میں ہم اپنے پیغام کو ان تک نہیں پہنچا سکتے۔ ہم تو وحید کے علم بردار ہیں، ہم نظام اسلامی کے علم بردار ہیں، ہم قرآن کے حامل ہیں، قرآن کے نور کو چہار دانگ عالم میں پھیلانا بحیثیت امت ہماری ذمہ داری ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مابین فضا کچھ

بہتر ہو اس میں دشمنی کے اثرات کم ہوں، تاکہ یہ داعیانہ کردار سامنے آسکے۔ دیکھئے یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام اُس وقت آیا جب اسلام خود بحیثیت دین زوال سے دوچار ہو چکا تھا۔ دین اسلام کی مکمل شکل خلافت راشدہ تھی، لیکن اس کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں اسلام وارد ہوا، جبکہ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت آچکی تھی۔ خلافت راشدہ والا اسلام تو ہندوستان نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ اسلام کی اصل حیثیت اور اسلام اصل میں جس اعتبار سے انسانوں کے لئے رحمت خداوندی کا مظہر اتم ہے، اس کی یہ صورت ہندوستان کے سامنے آئی ہی نہیں، بلکہ یہ نظام ملوکیت کے ساتھ آیا۔ گویا کہ ہندوستان میں اسلام دین کی حیثیت سے نہیں آیا، صرف مذہب کی حیثیت سے آیا ہے، جو محض عقائد، عبادات، نماز، روزہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ ہاں، ہمارا کچھ سماجی structure کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کوئی چھوٹ چھات نہیں ہے، سب برابر ہیں، سب کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد کے اندر نمازیں پڑھتے ہیں، مع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز! غلام ہو یا آقا ہو، نماز میں کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑے ہوں گے، یہ چیزیں ایسی تھیں کہ جس نے یہاں کی عوام کو متاثر کیا۔ اور پھر ہمارے صوفیائے کرام کی تبلیغ کے ذریعے سے یقیناً یہاں پر اسلام پھیلا ہے۔ وہ چاہے شیخ علی ہجویری، ہوں، معین الدین اجمیری، ہوں، بابا فرید الدین گنج شکر، ہوں، پورے پورے قبیلے ان کے ہاتھوں پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن دعوتی کام حکومت کی سطح پر نہیں ہوا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالص اسلامی تعلیمات یہاں نہیں آئیں۔ اسلام صرف ایک مذہب کی حیثیت سے آیا، نظام کی حیثیت سے متعارف ہی نہیں ہوا۔ اسلام کی صرف انفرادی زندگی سے متعلق ہدایات سے یہاں کے لوگ واقف ہوئے اور اسلام نے زیادہ سے زیادہ ایک cult کی شکل اختیار کی یا پھر اسلام نے ہندوستان کو کچھ اچھے افراد دیئے جنہوں نے اپنے اخلاق و کردار سے یہاں کے لوگوں کو متاثر کیا۔ اور اس کا

مقابلہ بھی ہندوؤں نے دو طریقوں سے کیا۔ ہندو اس معاملے میں بہت ہوشیار ہیں۔ یہ اس اعتبار سے دنیا کی کامیاب ترین قوم ہے کہ کسی بھی دوسرے فلسفے کو کسی بھی دوسرے مذہب کو پینپنے نہیں دیتی، بلکہ اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے، اسے digest کر لیتی ہے، اُس کی علیحدہ انفرادیت، اس کی علیحدہ شخصیت اور حیثیت باقی نہیں رہنے دیتی۔ باہر سے آنے والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اور بدھ مت جو یہاں پیدا ہوا تھا، اس کو بھی ایسا یہاں سے دیس نکالا دیا ہے کہ یہاں اب اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اب اس کا وجود اگر ہے تو وہ ساؤتھ ایٹیا یعنی چین اور جاپان میں ہے۔ گو تم بدھ بہار کے علاقے میں پیدا ہوئے اور وہیں کی ایک ریاست کپل وستو کے شہزادے تھے، اور بادشاہ اور راجہ بننے والے تھے۔ لیکن یہ کہ ہندو نے بدھ مت کا نام و نشان ہندوستان سے مٹا دیا۔ مگر اسلام گویا ان کے لئے بڑا سخت چٹا (hard nut to crack) ثابت ہوا۔ پھر بھی ہندوؤں نے دو طریقوں سے اسے ذرا کمزور اور نرم و گداز کر لیا۔

ایک طریقہ بھگتی تحریک کا اختیار کیا گیا، جس میں دو نمایاں نام بھگت کبیر اور گرو نانک کے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کو ہندو مت کے ساتھ شامل کر کے ایک علیحدہ مذہب پیدا کر لیا، تاکہ اسلام اپنے علیحدہ شخص کے ساتھ آگے نہ بڑھے۔ سکھ تحریک اصل میں یہی تھی۔ گرنتھ صاحب میں آپ کو قرآن کی آیتیں مل جائیں گی، حضور ﷺ کی تعریفیں مل جائیں گی، بابا فرید گنج شکر کے دو ہے مل جائیں گے۔ سکھوں نے یہ کیا کہ اسلام سے توحید لے کر اسے اپنے ہندو مت کے اندر جذب کر لیا اور ذات پات کا معاملہ ختم کر کے اسلام کی ایسی دو بڑی چیزوں کو کہ جن کے اندر تسخیر کی قوت تھی، اختیار کر لیا اور اپنا ایک نظام بنا دیا۔ بھگتی تحریک اصل میں اس اعتبار سے ایک خاص موضوع ہے کہ جس پر اس نقطہ نظر سے بھی غور و فکر ہونا چاہئے۔ یہ اصل میں ہندو معاشرے کا اسلام کی رفتار کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے دفاع کا ایک طریقہ تھا۔ انہوں نے یہ کیا کہ لوگوں کو اسلام کی جو چیز اچھی لگتی ہے وہ خود اپنے اندر جذب کر لو، لیکن اپنا شخص

برقرار رکھو۔

دوسرا کام یہ کیا کہ چونکہ یہاں اسلام آیا ہی تصوف کے راستے سے تھا لہذا تصوف کے ذریعے یہاں ہمہ اوستی نظریات کا پرچار کر کے اسلام کے خاتمے کا معاملہ کیا گیا کہ یہ سب مذاہب تو ایک ہی ہیں، کیا فرق پڑتا ہے۔ مسجد مندر بکھڑو نور، یعنی ایک ہی نور ہے مسجد میں بھی اور مندر میں بھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رام کہہ لو، رحمن کہہ لو کیا فرق پڑتا ہے! کچھ فرق نہیں۔ بس خدا کو مانو، اچھے کام کرو، نیک کام کرو، بس۔ باقی یہ جو شریعت کا فرق ہے، مسلمان نماز ایسے پڑھ رہے ہیں، کوئی کسی اور طرح سے عبادت کر رہا ہے، تو یہ چیزیں معمولی ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، انہیں نظر انداز کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں شریعت محمدی ﷺ کا جنازہ نکلنے کے قریب آ گیا تھا، جب دین اکبری یا دین الہی کی تدوین کی گئی اور شریعت محمدی ﷺ کے خاتمے کی کوشش کی گئی۔ ظاہر ہے کہ شریعت محمدی ﷺ کے حوالے ہی سے اس امت کا تشخص قائم ہے۔ اس کی شناخت درحقیقت شریعت محمدی کے حوالے ہی سے ہے۔

یہ دو طریقے ہیں کہ جن کے ذریعے اسلام کو نرم چارہ بنانے کی کوشش کی گئی جن میں اکبر اور اس کا دین الہی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سامنے آئے اور انہوں نے اکبر کے دین الہی کے تابوت کے اندر آخری کیل ٹھونک دی اور اسے ختم کر دیا۔ لیکن اس کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ شاہ جہاں کے بیٹوں یعنی اورنگ زیب کے بھائیوں میں سے داراشکوہ پوری طرح ہندو فلسفے سے متاثر تھا۔ اکبر کے نورتنوں میں ابو الفضل اور فیض ہندو فلسفے سے متاثر تھے۔ گیتا کا جو فارسی ترجمہ فیضی نے کیا اس میں تو ہمہ اوست کا سارا تصور موجود ہے۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

خود رند سموکش

خود بر سر آں کوزہ خریدار بیامد

بشکست و رواں شد

”خود کوزہ“ یعنی خدا جو ہے وہ خود ہی کوزہ ہے، ”و خود کوزہ گر“ یعنی جو کوزہ بناتا ہے وہ بھی خدا ہی ہے، ”خود گل کوزہ“ اور یہ کوزہ جس مٹی سے بنا ہے وہ بھی خدا ہے۔ اب خدا کی تین حیثیتیں ہو گئیں۔ ”خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ“۔ ”خود ندموش“ اور اس کوزے میں جو شراب بھر کر پیتا ہے وہ بھی خدا ہی ہے۔ ”بشکست و رواں شد“ پھر اس کے بعد کوزے کو توڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح ایک کھیل ہے کہ جو وہ کھیلتا ہے کہ اب پھر کچھ اور بنائے گا۔ یہ فلسفہ سارے کا سارا ہندوؤں کا ہے اور اس کو پھر بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فیضی کے انداز میں جو شعریت ہے اور اس میں جو غنائیت ہے اس نے رنگ تو لانا تھا۔ اس سارے معاملے نے دین محمدی ﷺ خاص طور پر شریعت محمدی ﷺ جس کا تعلق سنت رسول ﷺ کے ساتھ ہے اس کے لئے گویا ہندوستان کے اندر فضا خراب کر دی۔

اس کے علاوہ ایک بہت بڑی غلطی مسلمانوں سے، خاص طور پر اہل علم سے یہ ہوئی کہ انہوں نے ہندو ذہن کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ یہ تو ہمارے غلام ہیں اور ہم ان کے حاکم ہیں، محکوم قوم کے خیالات و نظریات کو سمجھنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ اگر کسی نے سمجھا تو ابوالفضل اور فیضی نے۔ لیکن وہ خود اس کی رو میں بہہ گئے۔ اسی طرح داراشکوہ کا معاملہ ہوا۔ ان کے سامنے جو زور دار چیزیں گیتا اور اپنشد کی آئیں، وہ اس کے اندر بہہ گئے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ ہندو ذہن کو نہیں سمجھیں گے، جب تک آپ کو معلوم نہ ہو کہ ہندو ذہنیت کا صغریٰ کبرئی کیا ہے، اس کی سوچ کیا ہے، اس کا فلسفہ کیا ہے، اُس وقت تک آپ ہندو کو اسلام کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ میری زندگی کے دو واقعے اس اعتبار سے بڑے عجیب ہیں۔

آج سے کوئی دس بارہ سال قبل میں بمبئی گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک ادارہ ٹمس پیر زادہ صاحب نے دعوت القرآن کے نام سے قائم کر رکھا ہے۔ یہ پہلے جماعت اسلامی ہند کے رکن ہوتے تھے پھر علیحدہ ہو گئے اور قرآن مجید کا ترجمہ قسط وار مراٹھی زبان میں شائع کر رہے تھے۔ مراٹھی مہاراشٹر کی زبان ہے۔ اس ترجمے کے ساتھ تھوڑے تھوڑے سے وضاحتی نوٹس بھی تھے۔ میں ان سے ملاقات کے لئے گیا، کیونکہ مجھے دعوت القرآن کے حوالے سے دلچسپی ہوئی۔ میں ان سے گفتگو کے دوران پوچھ بیٹھا کہ ویدوں کی کتنی تعداد ہے۔ مجھے معلوم تھا، لیکن میں اس کی توثیق کرنا چاہتا تھا۔ میں حیران ہوا جب انہوں نے جواب میں کہا ”مجھے نہیں معلوم“۔ میں نے کہا: ”آپ نے وید نہیں پڑھے؟“ جواب دیا کہ ”نہیں، اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہیں کتنے“۔ میں نے کہا: ”ٹمس پیر زادہ صاحب! آپ ذرا سوچئے، آپ ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں اور ہندو ذہن کو آپ جاننا ہی نہیں چاہتے، سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ ان کا صغریٰ کبریٰ ہے کیا؟ وہ کس بنیاد پر کھڑے ہوئے ہیں؟“ کہنے لگے کہ ”نہیں نہیں، میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں“۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھے جو خطوط دکھائے تو ان میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو عورت کہ جو پروفیسر تھی، اس کا خط دیکھ کر میں بہت حیران ہوا۔ اس نے بڑے غصے کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ ”آج تک آپ اس قرآن کو کہاں چھپا کر بیٹھے ہوئے تھے؟“ یعنی آپ کے اس ترجمے کے ذریعے سے قرآن مجید سے ہمیں جو روشنی مل رہی ہے تو سوال یہ ہے کہ آج تک آپ نے اسے کیوں چھپایا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ عربی تو ہم بھی نہیں جانتے وہ کیا جانیں گے۔ جب ہم جو کہ اسلام کے ماننے والے اور اسلام کے شیدائی ہیں، ہمیں عربی نہیں آتی تو انہیں کیسے آجائے گی؟ تو انہیں کیا پتہ کہ قرآن میں کیا لکھا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں کتنے عرصے سے آئے ہوئے ہیں اور ترجمہ اب شروع کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں وہ خط پڑھ کر سناٹے میں آ گیا کہ واقعتاً ہندوستان کے لوگ ہمارے خلاف اللہ تعالیٰ کی

عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں کہ اصل مجرم یہ ہیں کہ انہوں نے ہم پر حکومتیں تو کیں، تاج محل بھی بنائے، لیکن ہمیں تیری کتاب سے روشناس نہیں کیا۔ اس تاج محل پر اس وقت بیس کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا جبکہ شالامار باغ پر چند لاکھ روپے لگے تھے۔ چنانچہ آپ تقابل کیجئے۔ یہ بیس کروڑ روپیہ اگر عوام کی بہبود میں کام آتا، اس سے دین کی تبلیغ کے لئے کام لیا جاتا، ہندوؤں میں سے جو بھی convert ہو کر آئے تھے ان کو سہارا دینے کے لئے یہ روپیہ استعمال کیا جاتا تو یہ اقلیت اکثریت کا معاملہ ختم ہو چکا ہوتا۔ ہمارے پاس تو زبردست پیغام تھا، لیکن ہم نے اسے نہیں پہنچایا۔ ہم نے عیاشیاں کیں، بد معاشیاں کیں، محل بنائے اور تاج محل بنائے، لیکن اصل کام نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ میری زندگی کا بڑا عجیب ہے۔ ۱۹۹۰ء کے دورے کی بات ہے، میں رائے بریلی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ملنے گیا، اب ان کا انتقال ہو چکا ہے، ان سے میں نے کہا کہ مولانا! باقی جو دینی مدارس ہیں وہ تو میری بات شاید سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے، لیکن چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترقی پسند دارالعلوموں میں شمار ہوتا ہے، لہذا میری تجویز یہ ہے کہ آپ یہاں سنسکرت کی تعلیم لازمی کریں، تاکہ جب آپ کا فارغ التحصیل عالم یہاں سے نکلے تو وہ سنسکرت کو بھی جانتا ہو، تاکہ وہ وید، پران اور ہندوؤں کی پرانی کتابیں پڑھ سکے اور ہندو ذہن کے اندر جھانک سکے کہ ان کے ذہن کے اندر ہے کیا۔ کہنے لگے کہ ہاں یہ آپ نے بڑی اچھی اور بہت عمدہ بات کہی، میں اس کی کوشش کروں گا۔ دو سال کے بعد شکاگو میں ملاقات ہوئی۔ اس لئے کہ مجھے ۱۹۹۰ء کے بعد سے بھارت نے ویزا دینا بند کر دیا تھا۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک تو مجھے ویزے ملتے رہے اور میں بھارت کئی دفعہ گیا ہوں، خاص طور پر حیدرآباد دکن کے میں نے کئی سفر کئے، لہذا پھر وہاں میرا جانا نہیں ہوا، لہذا مولانا سے شکاگو میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ مولانا کیا اس پر کچھ کام کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی میں تو بھول ہی گیا۔ اب یہ ہمارے سب سے زیادہ ترقی پسند اور بہت ہی بیدار مغز عالم دین کا حال

ہے کہ میری اس تجویز کو انہوں نے وہ اہمیت دی ہی نہیں کہ ان کے ذہن میں رہتی اور یاد رہتی۔

بہر حال اب ہندوستان میں کچھ کام ہو رہے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے مولانا غلیل الرحمن سجاد جو مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں انگریزی اور اردو کے بڑے اچھے سپیکر ہیں اور وہ ہندوؤں میں کافی بڑے پیمانے پر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر ہیں ڈاکٹر ذاکر نائیک ان کے والد بھی بمبئی کے بہت بڑے سائیکارلسٹ تھے یہ خود بھی ڈاکٹر ہیں لیکن انہوں نے اب میری طرح ڈاکٹری وغیرہ چھوڑ دی ہے اور اب ہمہ وقت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بمبئی میں اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ آج سے کوئی دس سال پہلے وہ خود بھی یہاں آئے اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے جو میرے سورۃ العصر کے درس کا ٹیپ سن کر آغا خانی سے مسلمان ہو گئے تھے۔ مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ بہر حال وہ دونوں حضرات آئے تو میرے دروس و خطابات کے ساتھ ہزار روپے کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ یہاں سے لے کر گئے۔ اس کے بعد وہاں انہوں نے باقاعدہ ایک ہال بنوایا ہوا ہے جہاں چوبیس گھنٹے دعوت عام ہے کہ لوگ جس وقت چاہیں آئیں۔ شاید پانچ کی تعداد مقرر ہے کہ کم از کم اتنی تعداد میں ناظرین ضرور ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جب بھی اتنی تعداد میں لوگ آجائیں چاہے وہ رات کے بارہ بجے آئیں یا ایک بجے اسی وقت انہیں میرے ویڈیوز ٹیلی ویژن پر دکھادیئے جاتے ہیں۔ مزید برآں کیبل ٹی وی کے ذریعے سے ساڑھے آٹھ ہزار خاندانوں کو ہفتے میں دو دفعہ میرے درس قرآن کے ویڈیوز دکھارے ہیں۔ پاکستان میں اس کا کوئی سوال ہی نہیں جبکہ بمبئی کے اندر یہ کام ہو رہا ہے۔ اور بھی کچھ ادارے ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں۔ بہر حال اس وقت صورت حال یہ ہے کہ باشعور ہندو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو کو کوئی مذہب ہے ہی نہیں یہ تو بس کلچر ہے۔ ہر طرح کے عقیدے اور ہر طرح

کے فلسفے اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ بدترین شرک بھی ہے، شخصیت پرستی ہے، لیکن اعلیٰ ترین توحید بھی ہے۔ وحدت الوجود کا تصور جو توحید کی بلند ترین شکل ہے، وہ بھی موجود ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمہ اوست اور وحدت الوجود میں فرق ہے۔ ہمہ اوست تو کفر اور شرک ہے جبکہ وحدت الوجود مختلف شے ہے۔ سورہ حدید کی ایک آیت ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ کے ذیل میں میں نے تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے، جو حضرات دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس کیسٹ کو سنیں۔

بہر حال اب ہندو فنڈ امنگزم اپنے عروج کے بعد ایک زوال کا شکار ہے۔ اب یہ مناسب وقت ہے کہ قرآن کی دعوت کو بڑے پیمانے پر وہاں بیان کیا جائے اور اس کے لئے اردو زبان ایک بہت بڑا اثاثہ ہے، کیونکہ یہ پورے ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے۔ یہ جو انہوں نے سخت، کرخت قسم کی ہندی ایجاد کی تھی کہ جس میں سنسکرت کے بہت سے الفاظ ڈال دیئے تھے، وہ مقبول نہیں ہو سکی۔ لہذا وہاں کی فلمیں بھی اردو میں بنتی ہیں اور فلم دیکھنے والے بھی اردو فلمیں ہی دیکھتے ہیں۔ عام دیہات میں تو خیر مختلف علاقائی زبانیں ہیں لیکن شہروں میں، گلیوں میں، سڑکوں پر، مارکیٹوں میں اردو زبان ہی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ لہذا اردو بہت بڑا asset ہے۔ اور اس وقت ہندوستان میں کم از کم بیس کروڑ، جبکہ عام لوگوں کے خیال کے مطابق پچیس کروڑ یعنی کل آبادی کا چوتھائی حصہ مسلمان ہیں۔ اگر ان کو قرآن حکیم کی تعلیم سے روشناس کرا کے متحرک (activate) کیا جائے اور وہ عمل انگیز قوت (Catalytic Agent) کی حیثیت سے ہندو قوم کے سامنے قرآن مجید کی دعوت پیش کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارا فرض منصبی بھی ہے اور ہمارے کرنے کا کام بھی ہے۔ جبکہ یہ ہماری دشمنیاں اور پھر اس کے نتیجے میں ویزا وغیرہ کی جو پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور آمد و رفت کو مشکل بنا دیا گیا ہے، اس سب کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دین کی دعوت تو رک گئی، اور ہمارا آنا جانا تو محدود ہو گیا، لیکن ثقافتی طائفے چلے آ رہے ہیں، سیکولر ذہن چلا آ رہا ہے۔ اور سونیا گاندھی کے

قول کے مطابق ہندوستانی فلموں کے ذریعے سے سماجی اعتبار سے تو گویا بھارت پاکستان کو فتح کر چکا ہے۔

آج کے موضوع کے حوالے سے آخری بات یہ کہ پاکستان کے Founding fathers کے نزدیک پاکستان کا اصل ایجنڈا کیا تھا؟ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ”اگر ایسا ہو گیا، جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں اور جو تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست قائم ہوگی اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو بدنام داغ دور ملوکیت میں پڑ گئے تھے، انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔“ اب اسی بات میں میرے آج کے موضوع کے ساتھ مطابقت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس دور ملوکیت میں ہی اسلام ہندوستان کے اندر آیا تھا۔ ہندوستان نے تو صرف دور ملوکیت والا اسلام ہی دیکھا ہے، اصل اسلام اس کے سامنے آیا ہی نہیں۔ اور دور ملوکیت سے پہلے کا اسلام خلافت راشدہ کا اسلام تھا۔ یہ تھا اصل ایجنڈا، یہ تھا اصل مقصد، یہ تھا درحقیقت ہمارا اصل ہدف۔ اب الحمد للہ قائد اعظم کی بے شمار تقاریر پر مشتمل ہماری کتاب تیار ہو رہی ہے۔ اس کتاب میں ان کی وہ تحریریں اور تقریریں شامل ہیں کہ جن میں انہوں نے اسلام کے بارے میں عزم ظاہر کیا ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب جو مرض وفات میں قائد اعظم کے پاس موجود تھے، انہوں نے یہ بات بیان کی تھی کہ مرض وفات میں قائد اعظم نے کہا تھا کہ ”تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ مجھے کتنا اطمینان ہے کہ پاکستان قائم ہو گیا۔ یہ کام میں تنہا نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ رسول خدا (ﷺ) کا فیض شامل نہ ہوتا۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ یہاں اس ملک میں خلافت راشدہ کا نظام قائم کریں۔“ ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب ٹی بی سپیشلسٹ تھے، اور چونکہ قائد اعظم کی بیماری ٹی بی ہی تھی اس لئے ان کو خاص طور پر علاج کے لئے بلایا گیا تھا۔

آج میں نے آغازِ خطاب میں جو آیات تلاوت کی تھیں، اب ان کا ترجمہ پیش

کرتا ہوں۔ ان میں بحیثیت امت مسلمہ ہمارا رول بیان کیا گیا ہے: ﴿أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ” بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف“۔ اب ہمارا یہ رول ختم ہو چکا ہے، دعوت کا انداز نہیں رہا۔ اب ہم دنیا کی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم بن کر رہے گئے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ فساد اور جھگڑا محض ایک قومی تصادم ہے۔ نہیں بلکہ فرمایا: ﴿أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ﴾ ” بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف“ ﴿بِالْحُكْمَةِ﴾ ”حکمت کے ساتھ“ دانائی کے ساتھ۔ اس حکمت کے لئے پہلے اپنے مد مقابل قوم کی حکمت کو بھی سمجھنا چاہئے کہ ان کا فلسفہ کیا ہے؟ پھر کہیں جا کر آپ حکمت قرآنی اور حکمت ایمانی ان کے سامنے پیش کر سکیں گے ﴿وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ﴾ ”اچھے وعظ اور نصیحت کے ساتھ“ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”اور اگر جدال اور مناظرہ بھی کرنا پڑے تو وہ بھی خوبصورت انداز میں ہونا چاہئے“۔ بات کو واضح کرنے کے انداز میں کہ آپ کا دین کوئی دین نہیں ہے، محض ایک پرانی شے ہے، کچھ روایتیں ہیں جنہیں آپ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، اس دین کی اصل شکل اسلام ہے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ جیسا کہ اب ان کے ہاں آٹھ بڑے بڑے پنڈتوں نے تسلیم کیا ہے کہ ہم جس کا لکی اوتار کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں محمد ﷺ وہ کا لکی اوتار تھے اور وہ آچکے ہیں اور وہ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہاں تو یہ ہو رہا ہے، لیکن ہماری طرف سے تو دعوت نہیں دی گئی۔ یہ تو ان کا اپنا کارنامہ ہے، انہوں نے خود مطالعہ کیا ہے۔ ﴿إِنَّ رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ”یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے کون ہیں وہ لوگ کہ جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں، گمراہ ہو گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ان کو بھی کہ جو ہدایت پر ہیں“۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اللّٰهُمَّ! میں ان لوگوں میں شامل کرے جو ہدایت پر ہیں۔ آمین!

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ”(ہاں) کفار کے ساتھ مقابلہ

ہو) اور تمہیں کوئی بدلہ لینا ہو تو بس بدلہ بھی اتنا لو جتنا کہ انہوں نے تم پر زیادتی کی تھی۔ برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اس سے زائد نہیں۔ ﴿وَلَسِنُ صَبْرْتُمْ لَهَوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ ”اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے۔“ اس لئے کہ درحقیقت داعی بدلہ نہیں لیا کرتا۔ وہ تو پتھر مارے جائیں تو پھول پیش کرتا ہے، گالیاں دی جائیں تو دعائیں دیتا ہے۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلے: **اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** یعنی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں جاہلیت میں، لاعلمی میں، ناواقفیت میں کر رہے ہیں۔ ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) صبر کیجئے! اور آپؐ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر قائم ہے۔“ ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ”اور (جو لوگ آپؐ کی بات کو رد کر رہے ہیں) ان کے بارے میں صدمہ محسوس نہ کیجئے۔“ ﴿وَلَا تَكُ فِى ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾ ”اور آپؐ کے مخالفین آپؐ کے خلاف جو چال بازیاں کر رہے ہیں ان سے آپؐ دل تنگ نہ ہوں۔“ ان کی وجہ سے ملول، غمگین اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ ”اللہ خود ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں“ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ ”اور جو احسان کے مقام پر پہنچ جائیں“۔ **اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!!!**

میری گفتگو کا آخری نکتہ یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے ایجنڈے کی جو آخری شق ہے جس پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول اور جواب دہ ہیں، وہ یہ کہ یہاں نظام خلافت راشدہ قائم کریں، یہ ہمارا فرض ہے، تاکہ دنیا کے لئے، بقول قائد اعظم، لائٹ ہاؤس وجود میں آجائے، نور کا مینار، جس کو دیکھ کر وہ صحیح راستہ پکڑ سکیں تاکہ ان کے جہاز حادثے سے بچ جائیں۔

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِيْ وَلِكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا اردو ترجمہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آپ کے جریدہ کے تازہ شمارہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے آپ کی تجویز دیکھی ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی یہ تجویز اس تجویز کے مشابہ ہے جو میں شروع سے پیش کرتا آ رہا ہوں۔ میرا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ ریاست ایک کثیر النسلی اور تاریخی لحاظ سے مصنوعی ساخت کی حامل ریاست ہے۔ چنانچہ شمالی علاقے اور پیر پنجال سے نیچے کے جنوب مغربی پنجابی بولنے والے حصے کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے جبکہ لداخ اور جموں کا حصہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ وادی کو جو جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی طور پر ایک شے ہے پاکستان اور بھارت کی مشترک چھتری کے نیچے مکمل داخلی خود مختاری حاصل ہوتی چاہئے جیسا کہ سپین اور فرانس کی سرحد پر واقع انڈورا (Andorra) کا معاملہ ہے۔ وادی کی تعمیر و ترقی، دفاع اور خارجی تعلقات کی ذمہ داری پاکستان اور بھارت مل کر ادا کریں۔ کشمیریوں کو پاکستان اور بھارت دونوں کے اندر تعلیم اور تجارت کی غرض سے آنے جانے حتیٰ کہ رہائش رکھنے کی بھی اجازت ہو، لیکن اس کے برعکس پاکستان یا ہندوستان کے کسی شہری کو وادی میں جا کر آباد ہونے کی اجازت نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی ایک حل ہو سکتا ہے جس سے تمام فریقوں یعنی بھارت، پاکستان اور کشمیریوں کے مفادات کی تکمیل ہوتی ہے۔

سید شہاب الدین

سابق ممبر پارلیمنٹ

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا

ایڈیٹر ماہنامہ مسلم انڈیا

امیر تنظیم اسلامی کے نام بھارت کے معروف سیاسی رہنما
سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا عکس

Syed Shahabuddin
IFS (Retd.) Ex-MP

Advocate Supreme Court of India
Editor, Muslim India Monthly

Residence : Flat 404, Block-8
East End Apts, Mayapuri Vihar-1, Ext.
Delhi-110098

Office : Behind 29, Feroze Shah Road
New Delhi-110001
Tel/Fax : 378 2059. Resl. : 271 1354

17 February, 2000

My dear Dr. Asrar Ahmad Saheb,

In the latest issue of your journal, I have seen the solution to the Kashmir problem suggested by you. I am glad that this comes very close to what I have been suggesting since beginning.

My approach is based on the fact that the State is multi-ethnic and historically an artificial construct. Northern Areas and the south western region below the Pir Panjal which are Punjabi-speaking should be incorporated in Pakistan. Ladakh and Jammu should be integrated in India. The Valley of Kashmir which is a geographical, linguistic and cultural entity should enjoy, like Andorra on the border of Spain and France, complete internal autonomy, under the joint umbrella of India and Pakistan, which should together underwrite its development and be responsible for its defence and foreign relations

Kashmiris should have access to both India and Pakistan for education, trade and even residence while neither Indians nor Pakistanis have the right to settle in the Valley.

In my view, this is the only feasible solution which serves the interests of all partners – India, Pakistan and the Kashmiris.

With kind regards,

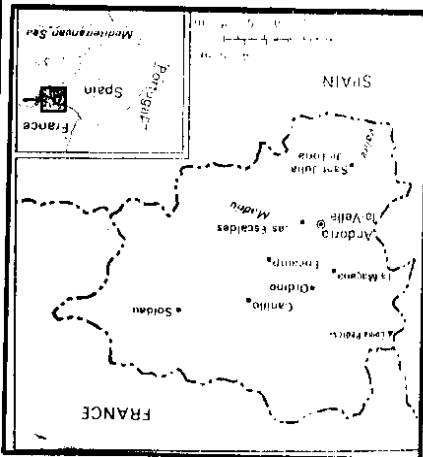
Yours sincerely,

(SYED SHAHABUDDIN)

جہاں نما

”اینڈورا“ — جس پر سپین اور فرانس کی مشترکہ حکمرانی ہے

اینڈورا (Andorra) یورپ میں ایک چھوٹا سا پہاڑی علاقہ ہے جس کے جنوب مغرب میں سپین اور شمال مشرق میں فرانس ہے۔ اس علاقہ پر ان دونوں ممالک کی مشترکہ حکمرانی ہے۔ صدر مقام انڈورا



لاویلا (Andorra La Vella)

ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے

Charlemagne نے ۷۸۰ء میں

مسلمانوں سے آزاد کرایا اور اس کے

بیٹے لوئس اول نے یہاں کے باشندوں

کو پروانہ آزادی دیا تھا۔ بعد میں

فرانسیسی اور ہسپانوی شہزادوں کے مابین

حق ملکیت کے تنازعہ پر تیرہویں صدی

عیسویں سے یہ علاقہ دو مالکوں کا باج گزار چلا آ رہا تھا۔ یورپ میں جاگیردارانہ نظام

حکومت کی یہ آخری نشانی ۱۹۹۳ء تک قائم رہی؛ جس کے بعد ایک آئین کے ذریعہ

دہرے مالکان کے اختیارات بہت حد تک کم کر کے وہاں کے عوام پر مشتمل انتظامیہ متفقہ

اور عدلیہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے ماخوذ)

مسئلہ کشمیر کا قابل عمل حل

بیان پریس کانفرنس ۱۰ جولائی ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پچھلے دنوں جب چوہدری شجاعت حسین صاحب بیرونی ممالک کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے قوم کو مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں تھرڈ آپشن یعنی کلیتاً آزاد خود مختار کشمیر کی تجویز پر بھی غور کرنے کا مشورہ دیا، جس پر پورے ملک سے احتجاجی صدائیں بلند ہوئیں اور بعض حضرات نے الزام لگایا کہ یہ امریکہ کی پرانی تجویز کا اعادہ ہے۔ اس معاملے میں شک کا سبب یہ بھی تھا کہ چوہدری صاحب حال ہی میں امریکہ بھی گئے تھے اور وہاں ان کی بعض اہم اہل کاروں سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں بھی ہوئی تھیں! چوہدری صاحب کے بیان پر خود مجھے بھی حیرت ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان سے بالمشافہ ملاقات کر کے ان کے مافی الضمیر کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے ملاقات کا وقت مانگا۔ لیکن وہ اس پر میرا کرام فرماتے ہوئے خود ہی میرے غریب خانے پر تشریف لے آئے۔ تب تفصیلی گفتگو سے واضح ہوا کہ ان سے اپنی بات کے بیان کرنے میں تسامح ہوا، ورنہ ان کی رائے بھی وہی ہے جو میں عرصہ دراز سے پیش کر رہا ہوں۔

میری وہ رائے جس کو دوبارہ بیان کرنے کے لئے میں نے آج آپ حضرات کو زحمت دی ہے، بہت پرانی ہے۔ اور اگرچہ ۱۹۹۵ء سے قبل کی تو کوئی بات ریکارڈ پر موجود نہیں ہے، تاہم ۲۵ اکتوبر ۹۵ء کو جو تحریری بیان میں نے اسی مقام پر پریس کانفرنس میں دیا تھا وہ ماہنامہ میثاق بابت ماہ نومبر میں شائع ہو گیا تھا۔ (اس کی فوٹو

سٹیٹ نقل پیش خدمت ہے) — پھر جب اوائل ۲۰۰۰ء میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی جانب سے تجویز آئی جو میری تجویز ہی کے مماثل تھی تو ۲۴ فروری ۲۰۰۰ء کو میں نے اپنے خطاب جمعہ میں اسی بات کو دہرایا جس کی مختصر رپورٹ ہفت روزہ ”ندائے خلافت“ برائے ۱۰ تا ۱۶ فروری میں شائع ہوئی۔ اس پر ایک پُر زور تائیدی خط بھارتی مسلمانوں کے معروف و مشہور رہنما (انڈین فارن سروس کے ریٹائرڈ ملازم اور سابق ممبر پارلیمنٹ) سید شہاب الدین صاحب کا موصول ہوا جس پر میں ان کا بہت شکر گزار ہوا۔ اس لئے کہ صرف وادی کشمیر کی حد تک آزادی کا تھرڈ آپشن جن شرائط کے ساتھ میں نے پیش کیا تھا اس کی ایک مثال بھی انہوں نے موجودہ دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک اینڈورا (ANDORRA) کے حوالے سے دے دی۔ ”ندائے خلافت“ کی رپورٹ کا خلاصہ اور سید شہاب الدین صاحب کے خط کی فوٹو سٹیٹ بھی حاضر خدمت ہے!

میرے نزدیک کشمیر کے مسئلے کے ضمن میں نہ صرف یہ کہ یو این او کی قراردادیں مدت ہوئی کہ دفن ہو چکی ہیں بلکہ گزشتہ نصف صدی کے دوران عالمی حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے اس کے پیش نظر یو این او کے زیر اہتمام کسی ریفرنڈم سے نہایت خوفناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں ہمیں آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کے علاقے بھی فوجی اعتبار سے خالی کرنے ہوں گے اور پورا یعنی سابق عظیم تر کشمیر یو این او کی تحویل میں چلا جائے گا۔ اور یو این او اب کرۂ ارضی کی سول سپریم پاور امریکہ کے تسلط میں ہے اور امریکہ علامہ اقبال کے قول ”فرنگ کی رگ جاں و بختِ یہود میں ہے“ کے مصداق صہیونیت (Zionism) کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے جس کے پیش نظر نیو ورلڈ آرڈر کے عنوان سے پوری دنیا میں یہود کا معاشی اور اقتصادی تسلط قائم کرنا ہے۔ اس ضمن میں ایک موقع پر امریکہ کی نائب وزیر دفاع برائے جنوبی ایشیا رابن رافیل نے صاف صاف بھی کہہ دیا تھا کہ بھارت سے اس کے زیر قبضہ کشمیر

نیا اتحادی اور آلہ کار بھارت بن گیا ہے۔ اور امریکہ کی خواہش ہے کہ بھارت سے پاکستان کو کسی درجہ میں رعایتیں دلوا کر اسے بالآخر بھارت کا طفیلی اور تابع مہمل نہیں تو کم از کم حاشیہ نشین ضرور بنا دیا جائے۔ اور پاکستان امریکہ چین کشاکش کے ضمن میں امریکہ اور بھارت کا اتحادی نہ سہی غیر جانبداری ضرور اختیار کر لے۔ میری رائے میں: ہمیں اس معاملے میں مستقبل بعید میں کیا ہوگا اور امریکہ اور بھارت کی کون کون سی خواہشات پوری ہوں گی اور کون سی نہ ہوں گی اس سے قطع نظر فوری طور پر اگر بھارت اور پاکستان کے مابین پچاس سالہ تنازعے کے حل کی کوئی قابل قبول صورت نکل سکتی ہو تو اسے حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد شدہ الفاظ ”عَضُّوا عَلَیْهِ بِالنَّوْاجِذِ“ یعنی ”پکڑ لو اسے اپنی کچلیوں کے ذریعے“ کے مصداق لازماً اختیار کر لینی چاہئے۔

افغانستان کے معاملے میں امریکہ کی حکمت عملی کے جو نتائج ماضی قریب میں سامنے آئے ہیں وہ الفاظ قرآنی ﴿اِنَّهُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَاَکِیْدُ کَیْدًا﴾ کے مصداق بہت قابل توجہ ہیں (یعنی ”وہ اپنی سی چال چل رہے ہیں اور میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں“ — سورۃ الطارق)۔ امریکہ نے افغان جہاد کے ذریعے اپنے مد مقابل USSR سے اپنی ویت نام کی شکست کا بدلہ تو چکا لیا اور USSR کو تحلیل بھی کر لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک جانب پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی طرف سے غصہ بھر کرنے پر مجبور ہوا جس کے نتیجے میں پاکستان ایٹمی ممالک کی فہرست میں شامل ہو گیا اور دوسری طرف افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے امکانات روشن ہو گئے۔ پھر امریکہ نے تو یہ سمجھا تھا کہ افغانستان میں روس کے خلاف جن گروہوں نے جنگ میں حصہ لیا ان کی قیادت کا فنڈ منگلوں کچھ جدید حالات و مسائل سے واقف ہونے کے باعث زیادہ ”خطرناک“ ہے جبکہ کٹھ ملا طالبان کو اپنے رخ پر ڈھال لینا آسان ہو گا ابتداء میں طالبان کی حوصلہ افزائی کی یا کم از کم ان کی مخالفت نہ کی، لیکن اب وہی

طالبان ایک ٹھیٹھ اسلامی امارت قائم کر کے اس کے عالمی عزائم کی راہ میں مزاحم ہو گئے ہیں! — اسی طرح اگر اب امریکہ مسئلہ کشمیر کو اپنے پیش نظر مقاصد کے تحت حل کرالے تو ہمیں یقیناً فائدہ ہوگا جبکہ مستقبل میں پاکستان کی روش کیا رہے گی اس کے فیصلے میں پاکستان قطعاً آزاد ہوگا۔

اس طویل تمہید کے بعد عرض ہے کہ میری عرصہ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ —
(۱) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے

ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے! —

(۲) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک کہ بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے اسی طرح کشمیر کے اُس پورے مسلم اکثریت کے علاقے کو جو پاکستان کے ساتھ ملحق ہے پاکستان کے حوالے کیا جائے اور غیر مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں بھارت میں ضم کر دیا جائے۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے —

(۳) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (RECONCILE) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہذا قابل قبول اور قابل عمل حل یہ ہے کہ (i) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے (ii) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور (iii) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرالیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خود مختاری کا آپشن بھی شامل

کر دیا جائے، اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے، اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ آزاد کشمیر کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہئے کہ داخلی طور پر کامل آزادی کے ساتھ ساتھ دفاع اور خارجہ امور کے ضمن میں وہاں بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہو گا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے! — مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمد و رفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمد و رفت رکھ سکیں۔

میری تجویز کے اس آخری حصے کے ضمن میں بھارت کے سید شہاب الدین صاحب نے انڈورا کی مثال پیش کی ہے جو سپین اور فرانس کے درمیان سلسلہ کوہ پائرینیز کے دامن میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں صد ہا برس سے فرانس اور سپین کے نمائندگان کی مشترکہ نگرانی میں آزاد حکومت قائم ہے — اس کی تفصیل کے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے READY REFERENCE EDITION کی جلد اول میں صفحہ ۳۸۷ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

فقط

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

امیر تنظیم اسلامی پاکستان

کشمیر میں موجودہ جہاد بحیثیت مجموعی ”جہادِ حریت“ ہے
میں نے عوام اور حکمرانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے مسئلہ کشمیر کے حل کی یہ تجویز پیش کی ہے
کشمیر کو خواہ شہ رگ نہ تسلیم کیا جائے تو بھی یہ پاکستان کے لئے ضروری ہے
پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالات کے جواب میں امیر تنظیم اسلامی کی وضاحت

☆ ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت سے نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی یہ پاکستان کے لئے بہت ضروری ہے۔ تاہم ایک رائے یہ بھی ہے کہ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کی شہ رگ پر ۵۳ سال سے دشمن کا قبضہ ہو وہ زندہ رہ جائے۔

☆ ایک اور سوال کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افغانستان میں روس کے خلاف لڑائی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ”جہادِ حریت“ تھی۔ البتہ اب طالبان کی شمالی اتحاد سے جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ یہ خالص اسلامی حکومت کے تحت ہو رہا ہے، جس کے پیش نظر شریعت اسلامی کا نفاذ ہے۔ اسی طرح کشمیر میں موجودہ جہاد بحیثیت مجموعی جہادِ حریت ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہاں انفرادی طور پر کچھ لوگ غلبہ دین کے لئے جہاد کر رہے ہوں۔ ایسے لوگ اپنی نیت کے مطابق اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

☆ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ نے سیاستدان نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اس دور میں مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو حملے کی دعوت دی تھی اسی طرح میں نے بھی ایک محبت وطن پاکستانی اور درد مند مسلمان ہونے کی حیثیت سے عوام اور لیڈروں کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت مسئلہ کشمیر کے حل کی تجویز پیش کی ہے۔

☆ امیر تنظیم نے اس سوال کے جواب میں کہ موجودہ حکومت شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں کہا کہ اسلام کے مطابق مسلم ملک میں اقتدار پر قابض رہنے والا مسلمان حکمران (جسے دینی اصطلاح میں ”متغلب“ کہا جاتا ہے) اگر خلاف شریعت کوئی کام نہیں کرتا تو اس کی حکومت شرعی طور پر جائز ہوتی ہے۔

پاک بھارت تعلقات۔ قائد اعظم کی نگاہ میں
26 فروری 48ء کو قائد اعظم کی امریکی سفیر سے گفتگو کے آئینہ میں

Quaid's view about Pak-India Relations

This is the Quaid-i-Azam talking to Paul Alling, the first US ambassador to Pakistan, on February 26, 1948. "Nothing", Alling reported, the Quaid told him "was nearer to his heart" than friendly relations with India. "What he sincerely wished was an association similar to that between the United States and Canada". He also told the ambassador that he had told Nehru, Gandhi and others that "Pakistan desired a defensive understanding with India on a military level ...with no time limit, similar perhaps to the (US) arrangements with Canada." He also told Alling that India and Mountbatten had been less than fair to Pakistan on Kashmir and he was firmly convinced that Pakistan was the victim of a conspiracy.

(Excerpt from an article titled "Through American Eyes"
by Khalid Hassan, Dawn: July 30, 2001)

قندِ مکرر

صفحات آئندہ میں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سابقہ بعض تحریریں اور بیانات جو گزشتہ سات آٹھ سالوں کے دوران ماہنامہ ”میثاق“ اور ہفت روزہ ”ندائے خلافت“ میں شائع ہوئے، ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں کہ جن کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسئلہ کشمیر اور پاک بھارت کشیدگی کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب محترم کا موقف کسی امریکی تھنک ٹینک کی جانب سے پیش کردہ رپورٹ کا مرہون منت نہیں ان کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ ہے بلکہ موضوع زیر بحث کے بارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف میں تسلسل کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ (ادارہ)

پاک بھارت کشیدگی: انگریزوں کی گھناؤنی سازش

شائع شدہ: میثاق جولائی ۱۹۹۴ء

انگریزوں نے بڑے عظیم پاک و ہند کے بعض حصوں پر ایک سو برس سے کچھ زائد اور بعض پر لگ بھگ دو سو برس تک حکومت کی۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ مقدم الذکر علاقہ کا جزو اعظم موجودہ پاکستان ہے، اور مؤخر الذکر کا اہم ترین حصہ مشرقی پاکستان تھا جو اب بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ بہر حال اس عرصے کے دوران ہندوستان میں بننے والوں کی چار پانچ سے لے کر آٹھ دس نسلوں تک انگریزوں کی غلامی میں گزریں۔ اب عمرانیات اور اجتماعی نفسیات کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی ملک پر کوئی بیرونی قوم اس طرح اور اتنے عرصے تک قابض و حاکم رہے تو طبعی طور پر محکوم قوم میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جو حصول آزادی کے وقت تو لازمی طور پر شدید ترین ہوتا ہے، خواہ بعد میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہو جائے۔ لیکن یہ ایک عجیب استثنائی معاملہ ہے کہ عین حصول آزادی اور تقسیم ہند کے وقت بھی انگریزوں کے خلاف نفرت نہ ہندوستان کے ہندوؤں میں تھی نہ مسلمانوں میں۔ بلکہ بڑے ملک یعنی بھارت نے تو آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کو اپنا پہلا گورنر جنرل بھی بنا لیا تھا۔ اور یہی معاملہ پاکستان کا بھی ہو جاتا اگر قائد اعظم ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش کو بلا جھجک رد نہ کر دیتے۔ اور یہ بھی میرے نزدیک یقیناً اُس خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی مشیت ہی کے تحت ہوا، جس کی شان یہ ہے کہ: "وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ" (الاحزاب : ۵۳) یعنی "اللہ کو حق بات کے کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی" ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس صورت میں پاکستان کا بستر "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے" کے مصداق دراز ہوتے ہی تمہ

ہو جاتا۔ مزید برآں یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ بعد میں بھی دونوں ملک طویل عرصے تک برطانیہ عظمیٰ کے زیر سرپرستی دولت مشترکہ میں شامل رہے، اور کافی عرصہ کے بعد ایک جذباتی مرحلے پر پاکستان نے اسے خیرباد کہا بھی تو بہت جلد اس پر اس کی جانب سے پچھتاوے کا اظہار ہوا۔

تو غور کرنا چاہئے کہ ”ع“ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!“ کے مصداق اس کا سبب کیا ہے؟۔

اس ضمن میں جہاں تک عین آزادی ہند اور تقسیم ملک کے وقت کا تعلق ہے اس میں تو ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ ”یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں!“ کے مصداق دونوں قوموں میں نفرت و انتقام کے جملہ جذبات ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی کشت و خون کی صورت میں ڈھل کر تحلیل ہو گئے اور سابق حاکم یعنی انگریز محکوم ہندوستانیوں کے اس طبعی ردِّ عمل سے صاف بچ کر نکل گئے۔ البتہ اس ہندو مسلم منافرت اور بد اعتمادی کے آغاز اور ارتقاء کے مختلف اسباب و عوامل اور ان کے مابین باہمی نسبت و تناسب کے بارے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی اعتبار سے تو جملہ اسباب و عوامل غالباً متفق علیہ ہی ہوں گے، تاہم ان کے تجزیے کے ذریعے یہ تعین کرنا کہ ان میں سے کون سا عامل سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا بہت گہری تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔

ہندو مسلم منافرت کے وہ ممکنہ متفق علیہ عوامل حسب ذیل ہیں : (i) ہندوؤں کی عمومی تنگ نظری اور الگ تھلگ رہنے کا انداز، خصوصاً ان کا چھوت چھات کا نظام۔ (ii) برہمن کا سامراجی مزاج اور ویش اور کھتریوں کی چالپوسانہ عیاری اور سود خوری کی وہ عادت جس کی بنا پر ”نمن فر۔ نکلین نے یہودیوں کو خون چوسنے والی چگاڈووں (VAMPIRES) سے تعبیر کیا تھا۔ (iii) مسلمانوں کی ”ہزار سالہ“ غلامی کا طبعی ردِّ عمل۔ اور ”آخری لیکن کمترین نہیں“ کے مصداق (iv) انگریزوں

قرآنی معیار یعنی چالیس سال کی عمر سے بھی آگے نکل چکی ہے (سورہ احقاف: آیت ۱۵) دونوں جانب کے اصحابِ علم و فہم اور اربابِ دانش و بینش اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ پاک بھارت تعلقات کے ”ہتے دریا“ میں دونوں ملکوں کے عوام کے نصیب کی ”سیاہی“ ہی نہیں ان کے خون کی سرخی بھی کون گھول رہا ہے؟ اور آیا اس کے ازالے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں؟۔

بھارت کے عوام اور ہمارے مابین تو یقیناً گونا گوں نوعیت کے نفسیاتی حجابات پر مستزاد بہت سی مادی فصیلیں بھی حائل ہیں، جن کی بنا پر ہماری بات کا ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے، لہذا کیوں نہ اس سنجیدہ سوچ بچار کا آغاز ہم پاکستانی مسلمان کریں؟ اس لئے کہ ہمارے لئے تو یہ مسئلہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے دونوں سب سے بڑے علمبرداروں، یعنی مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال، اور معمار و مؤسس پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح، نے تقسیم کے بعد کے حالات کے ضمن میں جو خواب دیکھے تھے وہ اس صورت حال کے بالکل برعکس تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں قائد اعظم نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کی تھی کہ ”بھارت اور پاکستان کے تعلقات ایسے ہی ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں۔“ لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں یہ تک فرمادیا تھا کہ ”ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مسلم ریاست ہر نوع کی جارحیت کے مقابلے میں ہندوستان کے دفاع کا فریضہ بہترین طور پر سرانجام دے گی، خواہ وہ جارحیت نظریات کی ہو خواہ ہتھیاروں کی!“ تو غور طلب بات ہے کہ کیا ہمارے یہ دونوں مسلمہ قائد، خاکم بدہن، بالکل بے بصیرت اور کودن تھے؟ کہ انہوں نے ہندو مسلم مفاہمت اور پاک بھارت تعاون کی جس سحر کی نوید سنائی تھی وہ نہ صرف یہ کہ فیض کے ان اشعار کے مصداق ابھی تک طلوع نہیں ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی دور دور تک اس کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر
 کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
 یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
 چلے تھے دوست کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں!

اس گھمبیر سوال کا صاف و صریح اور حتمی و قطعی جواب صرف یہ ہے کہ نہ ہمارے قائد بے بصیرت تھے، نہ موجودہ صورت حال تقسیم کے فارمولے کا منطقی نتیجہ ہے، بلکہ اس پوری صورت حال کا واحد سبب مسئلہ کشمیر ہے جو انگریزوں کی عیاری، بد نیتی، خیانت اور بے ایمانی کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انگریزوں کو مسلمانانِ کشمیر کی ”قومِ نجیب و چرب دست و تردماغ“ کے ساتھ کیا ازلی بغض اور خدائی بیر تھا کہ لگ بھگ سو سال پہلے تو انہوں نے اس پوری قوم کو طع ”قوسے فروختند و چہ ارزاں فروختند“ کے مطابق چند لاکھ ٹکوں کے عوض ہندو ڈوگروں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اور پھر عین تقسیم کے وقت اولاً ایک انگریز یعنی ریڈ کلف نے اپنے بدنام زمانہ ”اوارڈ“ کے ذریعے ریاست جموں و کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی راہ ہموار کر دی جو نہ صرف یہ کہ تاریخی و جغرافیائی، اور مذہبی اور ثقافتی جملہ اعتبارات سے پاکستان کا جزو لاینفک اور خاص طور پر آبی وسائل کے نقطہ نظر سے پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے، اور جو اس بنیادی اصول کے مطابق جو تقسیم ہند کے لئے طے ہوا تھا، یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے تمام ”ملحق علاقے“ پاکستان میں شامل ہوں گے، قطعی طور پر پاکستان کا حصہ بنتی تھی۔ اور بعد میں جب ریاست کے مسلمانوں نے بغاوت کی اور اس صریح بے انصافی اور بددیانتی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، اور پاکستان کے عوام اور بالخصوص قبائلی پٹھانوں نے ان کی مدد کی، اور اس مسئلے کے آخری حل کے لئے پاکستان کی فوج کی بس ذرا سی امداد کی کسر رہ گئی تھی، تو ایک دوسرے انگریز یعنی انوائج پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل گریمی نے قائد اعظم کی

خواہش بلکہ حکم کے علی الرغم آڑے آکر اس حق تلفی کے فوری ازالے کا راستہ
مسدود کر دیا۔ چنانچہ معاملہ یو این او کے سپرد ہوا اور پینتالیس برس سے اس کی فائلوں
میں دفن پڑا ہے۔

وہ دن اور آج کا دن بھارت اور پاکستان کی حکومتوں اور عوام اپنے سابقہ غیر ملکی
حکمرانوں کے اس کردار کا مزہ چکھ رہے ہیں جو سورہ بقرہ کی آیات ۲۰۴ اور ۲۰۵ کے
ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
يُسْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا
تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسَادَ ۝

”بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حیات و معاملات دنیوی میں ان کی (چکنی
چڑی) باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیتوں پر خدا کو گواہ بھی بناتے
رہتے ہیں، حالانکہ وہ بدترین دشمن ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ پیٹھ پھرتے
ہیں (ذرا نوٹ فرمائیں یہ الفاظ مبارکہ انگریزوں کی ہندوستان سے واپسی پر
کس قدر عمدگی کے ساتھ چسپاں ہو رہے ہیں) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی
سعی کرتے ہیں تاکہ (اس کے ذریعے) زمین کی کھیتی اور انسانوں کی نسل کو
ہلاک کر دیں!“

چنانچہ اس عرصے کے دوران بھارت اور پاکستان کے مابین کئی خونریز جنگیں بھی ہو چکی
ہیں جن میں ہزاروں انسان ہلاک اور معذور ہوئے، لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم
ہوئے، اور ارب ہا ارب روپے کے مالی نقصان دونوں ملکوں کو ہوئے۔ مزید برآں
عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ بجائے عوامی بہبود اور تعلیم و ترقی کے مسلسل
بڑی بڑی فوجوں کو ”کھڑی“ رکھنے اور ملک اسلحہ کی خرید میں صرف ہوتا رہا۔ پھر ان
کی باہمی چپقلش سے وقت کی دونوں سپراورز نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اگر پاکستان

نے اپنے ”بچاؤ“ کے لئے امریکہ کی ”پناہ“ حاصل کی تو بھارت نے روس کا دامن
تھاما اور اس طرح دونوں ملک ان کی سرد جنگ میں ملوث ہو گئے۔ اور طرفہ تماشایہ
ہے کہ سرد جنگ کے اصل فریقوں یعنی روس اور امریکہ کے مابین تو یہ جنگ ہمیشہ
”سرد“ ہی رہی، جبکہ بھارت اور پاکستان کے مابین اس کی بھٹی بار بار دھکتی رہی۔ اور
اس سے بھی بڑھ کر ”جا دو وہ جو سر چڑھ کر بولے“ کا مظہر اتم یہ ہے کہ اس پورے
عرصے کے دوران بھی انگریزوں دونوں ملکوں کے نہ صرف مشترک دوست بلکہ مربی و
سرپرست، اور ناصح و ثالث بالخیر بنے رہے، اور آج بھی میر تقی میر کے اس بدنام زمانہ
شعر کے مصداق کہ۔

میر کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے ”لڑکے“ سے دوا لیتے ہیں!

کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے ہمارے یہاں اکثر و بیشتر دہائی دی جاتی ہے انگریز کے
سرپرست امریکہ کی، اور حوالہ دیا جاتا ہے اس کے خانہ ساز ادارے یو این او کی
قراردادوں کا۔

بہر حال اس ذہنیت اور طرز فکر پر تو ”بایں عقل و دانش باید گریست“ کے سوا
اور کیا کہا جاسکتا ہے، لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ
کریں کہ آیا ہمیں واقعات و حوادث کے اس دریا میں جس کا رخ ہماری سادہ لوحی پر
مبنی خوش اعتقادی اور حسن ظن، اور اغیار کی دشمنی اور عیاری کے باعث ایک خاص
سمت میں موڑ دیا گیا تھا چارو ناچار بتے ہی چلے جانا ہے، خواہ اس کے نتائج کتنے ہی مضر
اور ہولناک ہوں، یا ہمت سے کام لے کر اس کے رخ کو بدلنے کی کوشش کرنی ہے!

پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل

ہندو مسلم منافرت اور پاک بھارت مخالفت کے قدیم اور تاریخی اسباب کو بالکل ختم کر دینا تو ظاہر ہے کہ اب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ ”گیا وقت“ تو منفی اور مثبت دونوں کماوتوں کے اعتبار سے ہماری دسترس سے باہر ہے۔ یعنی ”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!“ اور ”میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں!“ لہذا پاک بھارت مفاہمت کی کسی بھی کوشش میں ہر اعتبار سے اولیت اور اہمیت موجودہ مسائل ہی کو دینی ہوگی جن میں سرفہرست مسئلہ کشمیر ہے۔

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماضی سے متعلق بعض مزعومہ مسلمات پر بھی کسی قدر تنقیدی نگاہ ڈال لی جائے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ آمیزی کتنی۔ اس لئے کہ اس سے مفاہمت کے لئے ذہنی تیاری میں مدد مل سکتی ہے۔

برہمن اور بنیئے کے بارے میں ہمارے یہاں جو تصورات پتھر کی لیکر کی مانند پختہ ہو گئے ہیں انہیں ”زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو“ کے مصداق اگر کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے یعنی یہ کہ برہمن کا عمومی مزاج سامراجی ہے اور وہ یہودیوں کی مانند اپنے آپ کو ایک بالاتر اور برتر مخلوق گردانتا ہے اور بنیئے کی ذہنیت بھی بالعموم یہودیوں ہی کی ایک دوسری صفت یعنی سود خوری اور اس سے پیدا شدہ چالپوسانہ عیاری کے کردار کا عکس ہے جس کی بہترین تعبیر ”منہ میں رام رام بغل میں چھری“ کے الفاظ سے ہوتی ہے، تب بھی ایک جانب تو یہ اٹل اصول ناقابلِ تردید ہے کہ ۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا بیخ انگشت یکساں نہ کردا

گویا نہ سب برہمن ایک ہی مزاج کے حامل ہیں نہ تمام بیٹے ایک ہی سی سرشت رکھتے ہیں۔ (خاص طور پر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کی صورت میں جو ”برہمن زادہ“ رمز آشنائے روم و تمبریز“ عطا فرمایا اس کی مثال بہت ہی نمایاں ہے) اور دوسری جانب ہندو معاشرے میں کھتری اور راجپوت بھی تو ہیں جن کی غیرت و حمیت، شرافت و مروت اور وسیع قلبی اور فراخ حوصلگی ضرب المثل ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ پسماندہ قومیں بھی تو ہیں جو خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ستم رسیدہ ہیں اور اگرچہ ماضی میں تو وہ ”بابندگی“ اور ”خوگرقتہ“ اور ”ہم بھی تسلیم کی خود اعلیٰ گے“ کی مصداقِ کامل بنی ہوئی تھیں لیکن اب ہندوستانی معاشرے میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ شمالی ہند کی یوپی اور بہار جیسی کٹر ہندو ریاستوں میں ان ہی میں سے بعض یعنی ”یادو“ وزارتِ علیا پر بھی فائز ہو گئے۔ پھر تعداد میں بھی وہ بقیہ تینوں طبقات سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں!

اس ضمن میں لکھنؤ (یوپی، بھارت) سے شائع ہونے والے قدیم اور موثر دینی و علمی ماہنامے ”الفرقان“ کی ایک حالیہ اشاعت کے ادارہ کے حسب ذیل اقتباسات بہت اہم ہیں:

”ایک غلطی بہت مدت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں سے ہو رہی ہے اور اس کے بہت سخت نقصانات ہم اٹھاتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں بسنے والے اکثریتی فرقہ کو ایک ”قوم“ سمجھتے ہیں، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اس غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہ رہا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہم اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری سے نکل نہیں پارہے ہیں، جو ایمانی کمزوری کے علاوہ اپنی اور اس ”قوم“ کی تعداد اور سیاسی اور معاشی پوزیشن کے مابین زبردست فرق کو دیکھ کر ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی سماج و وحدت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔ اس کو ایک متحدہ و متشخص عطا کرنے اور ان سب کو ایک گروہ بنا دینے اور اسے اکثریت کی

خلعتِ فاخرہ پہنا دینے کی سازش اصل میں انگریزوں اور برہمنوں کے اشتراکِ عمل کے نتیجے میں، اور ہماری سادہ لوحی اور یہاں کے سماجی و مذہبی نظام سے براہ راست ناواقفیت کی وجہ سے کامیاب ہوئی ہے۔ لیکن اب صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ملک کے مظلوم طبقاتِ ذلت و غلامی کے طوق سے اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی ڈھانچہ کو بدلنے اور برہمنی جبر و استبداد سے نکلنے کی آواز پہلی بار گئی ہے، پہلے بھی یہ کوشش ہوتی رہی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ اب جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور شاید اب یہ بات آگے ہی بڑھتی جائے گی۔“

پھر ہمارے لئے تو سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بھارت میں صرف ہندو ہی تو آباد نہیں ہیں، مسلمان بھی ہیں، اور اگر بھارتی مسلمانوں کی عام رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ بھارت کو دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک قرار دیا جاسکتا ہے۔ (عام سرکاری اعداد و شمار کی رُو سے بھی دنیا بھر میں صرف ایک انڈونیشیا ایسا ملک ہے جو بھارت سے زیادہ تعداد میں مسلمان آبادی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔) اور انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کے دوران بعض حکمرانوں اور مقتدر اشخاص کی ذاتی حرص و آز یا بوسہ کی بنا پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے انفرادی واقعات، اور ان کے ضمن میں بھی حقیقت اور افسانہ کے تناسب کی تحقیق سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد یا تصادم کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ بلکہ صورت حال وہ رہی ہے جس کا نقشہ اسی ”برہمن زادہ“ نے ان الفاظ میں کھینچا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلے تھے، دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے، یا قربانی یا جھٹکا ہے

تو کیا یہ مسئلہ واقعتاً غور طلب نہیں ہے کہ — ”کون“ معشوق ہے اس پردہ زنگاری
میں؟—

اس مقام پر اس بات کا حوالہ بھی یقیناً دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بھارت کے ایک
ہریجن لیڈر پالانی بابا نے اپنے ایک کتابچے میں ’ جو ۱۳۔ عزیز ملک اسٹریٹ نمبر ۵‘
مدراس ’ تامل ناڈو سے شائع ہوا ہے، ’ ہندوؤں کے سرکردہ مذہبی رہنما پوری شکر
آچاریہ کے اس قول کے حوالے سے کہ ”اچھوت ہندو نہیں ہیں!“ یہ دعویٰ کیا ہے کہ
بھارت میں ”ہندو“ اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں، اس لئے کہ بقول ان کے
”بھارت کی کل آبادی کے ۲۵ فیصد اچھوت ہیں، ۲۰ فیصد مسلمان ہیں، ۳ فیصد عیسائی
ہیں، ۲ فیصد سکھ ہیں، اعشاریہ سات فی صد بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اور اس طرح
بھارت کی غیر ہندو آبادی کل آبادی کا لگ بھگ ۵۱ فیصد بن جاتی ہے۔“

مزید برآں، اس ضمن میں بھی بعض حقائق ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے
کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان دونوں قوموں کے مابین تلخی کا زہر گھولنے کا
سب سے مؤثر کام بھی بعض انگریز محققین اور مورخین ہی نے سرانجام دیا۔ جس کی
سب سے نمایاں مثال ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہے، اس لئے کہ اس کے بارے
میں یہ تحقیق کہ یہ رام جنم استھان پر بنی ہوئی ہے ایک انگریز ہی کی جانب منسوب ہے۔
اور پھر ایک دوسرے انگریز یعنی سول جج نے بجائے مسئلے کو حل کرنے کے مسجد پر تالا
ڈال کر اور مقدمے کو طول دے کر پورے معاملہ کو ایک ٹائم بم بنا کر رکھ دیا جو لگ بھگ
سو برس بعد شدید ترین دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اور ہندو مسلم کشیدگی میں ایک نئے
باب کے اضافے کا زریعہ بن گیا۔ فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔ بہر حال ان جملہ
حقائق کے علی الرغم یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے

منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمارے پاس کون کون سے آپشن موجود ہیں، اور وہ کس کس حد تک قابل عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی؟

سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالات موجودہ کوئی قابل عمل حل ہے؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت ۶۵ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے؟ پھر اگر اُس وقت کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تو آج اس کی کتنی امید کی جاسکتی ہے؟

مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی جنگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کھلا اعلانِ جنگ صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورہ آل عمران کی آیت : ۱۶۰ کے ان الفاظ مبارکہ کے مطابق کہ : ”اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَايِبَ لَكُمْ“ یعنی ”اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا“ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں، لہذا فرمانِ نبویؐ : ”وَأَنْتَىٰ يُسْتَحَابُّ لِيَذْلِكَ؟“ یعنی ”ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟“ کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہو سکتی ہے؟ بنا بریں لے دے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب و وسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے، جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ : ”كُلَّ نَسِيمَةٍ هُوَ لَاءٌ وَهُوَ لَاءٌ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ“ (بنی اسرائیل : ۲۰) یعنی ”ہم انہیں اور

انہیں (یعنی طالبانِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں! کہ اس نے ہمیں اولیٰ اے میں سابق صدر امریکہ، آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اُس وقت اندرا گاندھی نے ”پروپاکستان ٹیلٹ“ سے تعبیر کیا تھا، اس سے روسی وزیر اعظم کو سی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوا یا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے ”یک طرفہ جنگ بندی“ کا اعلان کیا، جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے ”مَنَاعَ الٰہِی حِیْنَ“ یعنی مزید مہلتِ عمل مل گئی۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا منظر ہے کہ بعد میں اس نے ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈزرنٹ عطا فرمادیا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے ”فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ“ (”پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو!“ الاعراف : ۱۲۹) والے امتحان کی مہلت اور مدت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جس پر ہمیں سورہ انفطار کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ ”بِأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ“ یعنی ”اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافاتِ عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؟“ کے مصداق ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ سورہ اعراف کی آیت ۳۳ اور سورہ یونس کی آیت ۴۹ میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہو سکتی ہے۔ اور پھر جب یہ اچانک ختم ہو جائے گی تو اس میں مزید توسیع و تاخیر کسی طرح ممکن نہ ہو گی، ”فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ“ (الاعراف : ۳۳) یعنی ”پھر جب ان کی وہ معینہ گھڑی آجائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہی کھسک سکیں گے!“

مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف ”ڈزرنٹ“ ہی ہے یعنی صرف بھارتی جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ

کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت المحقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے اعتبار سے یہ بھی جنگ کے ”آپشن“ کی نفی کے مترادف ہے۔

رہا مسلمانان کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثال جہادِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی امداد کے بغیر آخر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے، اور وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر، امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی بہت سے حلقوں، بالخصوص مذہبی گروہوں، کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اولاً جہادِ افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپر پاور کی کھلم کھلا، اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے!)۔ لہذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حوالہ قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورہ نساء کی آیت ۷۵ کا حوالہ بھی بہت شد و مد کے ساتھ دیا جاتا ہے، یعنی :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ
الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا، وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ○

”اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزوروں و مجبور مردوں، عورتوں اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بہتی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار پیدا فرما!“

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دین حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام و کمال نافذ کر دیا تھا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تاحال ہم کتاب و سنت کی کامل بالادستی کا قولِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی اور اس دور میں بھی ادا نہیں کر سکے جبکہ ہمارے ملک میں اس نام نہاد ”اسلامی جمہوری اتحاد“ کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً تمام قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں باآسانی مطلوبہ ترمیم کی جاسکتی تھی۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیدا کردہ شدید منگائی، افراطِ زر، اور بے کاری کی آگ میں جل رہی ہے، اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور

ارہوں کے غبن اور خورد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچا دیا ہے۔

ان حالات میں سورہ نساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے ”جہادِ کشمیر“ کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہو سکتا ہے، یا اولاً اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار میں شریعت کے بالفعل نفاذ اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیر ممول لئے بغیر ”کتنا حسین فریب ہے جو کھار ہے ہیں ہم!“ کے مصداق ”جہاد و قتال فی سبیل اللہ“ کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا

”حسین فریب“ کھانے کا شوق ہو سکتا ہے۔ — ورنہ ”پاپوش میں لگائی کرن آفتاب

کرن“ کے مصداق کہاں سورہ نساء کی اس آیت مبارکہ کے مخاطب اصحابِ رسول

(صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستانی مسلمان! ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک!“

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبارہ یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں، جیسے مثلاً حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیے کے حل کے لئے بظاہر بالکل ”صراطِ مستقیم“ اور ”سواء السبیل“ کے مصداق نظر آتا ہے، لیکن اب سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل تھا، اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدّ راہ تھی، لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجزینو تکفین کے بعد بظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے بھی گہری دلچسپی یعنی شروع کر دی ہے، لہذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں، لیکن نئی عالمی صورت حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مملک اور خطرناک بن گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ، جیسے کہ ”ع“ جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے!“ کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے، اب امریکہ کو ”سول سپریم پاور آن از تھ“ یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لئے ”نیو ورلڈ آرڈر“ کے قیام کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے، جس کے لئے یو این او اس کے

خانہ ساز بلکہ ”خانہ زاد“ ادارے کی حیثیت سے آلہ کار کا کام کر رہا ہے۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سید راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے، البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے، اور سوڈے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی، پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سید راہ ہے، اور حکومت کی سطح پر فنڈ امٹلٹ ہونے کے ناتے ایران بھی۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے ”توجہ طلب“ ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی، لہذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں ”پولیس مین“ کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے ”اسرائیل“ کی شدید ضرورت ہے!

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آسکتا ہے کہ۔ ”الہی خیر میرے آشیاں کی۔ زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!“ کے مصداق چچاسام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے ”واگذار“ کرا کے یا تو ایسی ”آزادی“ عطا کر دی جائے جو۔ ”اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا۔ کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!“ کی مصداق کامل ہو۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے ”میر“ کو یو این او کی ”زلفوں کا اسیر“ بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی ایشیا کے عین قلب میں ایک دوسرا ”اسرائیل“ قائم کر دیا جائے، جہاں سے بیک وقت چین، بھارت، پاکستان، افغانستان اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جاسکے۔

کشمیر کے بارے میں امریکہ کے یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا سوزر این رائیل کے بیان دہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں۔ جس کے مطابق امریکہ کے ”خود مختار کشمیر“ کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد

کشمیر کے علاوہ لداخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں اور یہ کہ: ”اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اپنی ایک خصوصی ٹیم جو ماہرین پر مشتمل ہے بھارت بھجوا دی ہے“ چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان ”ماہرین“ کا یہ کارنامہ بھی منصفہ شہود پر آچکا ہے کہ ”آل پارٹیز حریت کانفرنس“ کے نام سے کشمیری مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں ”آزاد و خود مختار کشمیر“ کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے مزید برآں، ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں ۳۲ دن محصور رہنے والے کشمیری لیڈر اور حریت پسند تنظیم ”آپریشن بلاکٹ“ کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے ٹیکے انداز سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۱/ مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: ”کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خود مختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے“ اور ”پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہیں کر سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے“ ”وقیس علی ذلک“ جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صغنی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے سے انداز میں کہنا پڑا کہ ”کشمیری مجاہدین کی تنظیموں میں بھارتی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں“ ”بہر حال“ ”قیاس کن زگلستان من بہار مرا“ کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے اس دوسرے اور بظاہر سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے۔ ورنہ استصواب رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیریوں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کُل طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کاروائی کو آسانی ادا کر سکے گا جس نے دو بلوں کے مابین روٹی

کی ”منصفانہ تقسیم“ کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کر لی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئی تھیں!

گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہو گا جو بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ ”آزاد و خود مختار کشمیر“ کا تھرڈ آپشن نہیں، بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت کے مابین براہ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو گا جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے، لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کاموروثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سداہ راہ ہے۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی بھی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران سرحد کے دونوں جانب کے عوام کی راسخ ہو جانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دوطرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفصیلات ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آتی!

کاش کہ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام و خواص سب کو اس صورت حال کا صحیح صحیح اندازہ ہو جائے اور یہ دونوں ملک سو سالہ ہندو مسلم منافرت اور سینتالیس سالہ پاک بھارت مخالفت کی ”دیواری برلن“ میں کوئی فیصلہ کن شگاف ڈالنے کا انقلابی قدم اٹھاسکیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تقسیم کشمیر..... ایک قابل عمل فارمولا

امیر تنظیم اسلامی کی چھ سال قبل پیش کردہ تجویز

بیان پریس کانفرنس ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کشمیر اور کراچی کے پیچیدہ و گھمبیر مسائل کے حل اور بدلتے ہوئے حالات میں پاکستان کے لئے نئی خارجہ حکمت عملی کے ضمن میں میری رائے حسب ذیل عالمی علاقائی اور ملی و ملکی مشاہدات و آراء پر مبنی ہے:

(۱) جس طرح چند سو سال قبل یورپی عیسائی نوآبادیاتی سیلاب نے ایشیا اور افریقہ اور بالخصوص عالم اسلام پر حملہ کیا تھا اسی طرح اور اس کے باوجود کہ ع ”دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز!“ کے مصداق ابھی اس نوآبادیاتی استعمار کی بساط پورے طور پر لپٹنے بھی نہ پائی تھی کہ اب دوبارہ ایک عالمی استعمار کا سیلاب مغرب سے مشرق کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس بار یہ استعمار عالمی صہیونی تحریک کے آلہ کار کی حیثیت سے ”نیو ورلڈ آرڈر“ کے حسین نام کے تحت امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں اور ان کی ادنیٰ کینزیو این او کے ذریعے پیش قدمی کر رہا ہے۔

(۲) بد قسمتی سے عالم عرب تقریباً کل کا کل اس نئے یہودی عالمی استعمار کے شکنجے میں کسا جا چکا ہے اور اس ضمن میں تو یہودیوں کے مابین صرف یہ اختلاف باقی رہ گیا ہے کہ سیکولر صہیونی قیادت کی حکمت عملی یہ ہے کہ عظیم تر اسرائیل کے قیام کے ذریعے عربوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں میں شدید رد عمل پیدا کرنے کی بجائے یورپی مشترکہ منڈی کی طرح شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے مسلمان ممالک کا ایک تجاہداتی اور

صنعتی بلاک بنانے پر اکتفا کیا جائے جس میں سرمایہ اور تیل اور غیر فنی محنت مزدوری عربوں کی ہوگی اور ٹیکنالوجی اور مینجمنٹ (Management) ہماری لہذا بالائی اور مکھن ہم کھائیں گے اور چھ اچھے لسی عربوں کو دیتے رہیں گے..... جب کہ کٹر مذہبی یہودی اس پراڑے ہوئے ہیں کہ اپنی دیرینہ امنگوں کے مطابق نیل سے فرات تک اور مشرقی ترکی اور شمالی جاز بشمول مدینہ منورہ عظیم تر اسرائیل قائم کیا جائے..... (ان دونوں عناصر کے مابین مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ”تیسرا ہیکل“ تعمیر کرنا متفق علیہ ہے جس کی جانب کسی بھی سہانی صبح کو پیش قدمی ہو سکتی ہے!)

(۳) اس نئے عالمی استعمار کے راستے میں عالم اسلام میں سے تو واحد رکاوٹ اور وہ بھی بہت قوی نہیں، ایران، پاکستان اور افغانستان کے ”مسلم فنڈامنٹلسٹ“ رہ گئے ہیں۔ البتہ غیر مسلم ممالک میں سے ایک عظیم عسکری قوت کی حیثیت سے چین اور ایک عظیم صنعتی طاقت کی حیثیت سے جاپان فوری مسئلہ ہیں، جبکہ عددی قوت کے لحاظ سے بھارت اور ایٹمی صلاحیت کے اعتبار سے روسی ترکستانی ممالک کے کبھی آئندہ پریشان کن بن جانے کا امکان ہے۔

(۴) ادھر امریکہ کی جنوبی اور مغربی ریاستوں کے کٹر عیسائیوں میں یہودیوں کے خلاف وہی ردعمل شدت کے ساتھ پیدا ہو چکا ہے جو نصف صدی قبل جرمنی میں پیدا ہوا تھا اور لاتعداد ملیشیا میں ایک سول وار کی تیاری میں مصروف ہیں، جن کی ایک ادنیٰ جھلک حال ہی میں اوکلاہامہ بم کی صورت میں دیکھی جا چکی ہے..... بنا بریں عالمی یہودی استعمار اپنے ایجنڈا کی فوری تکمیل کے لئے بے تاب (Desperate) ہو چکا ہے اور دراصل اسی بناء پر خلیج کی جنگ کے فوراً بعد نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ اور اس کے معاً بعد پاکستان پر ہر ممکنہ دباؤ اور اس کے ایٹمی پروگرام کے خلاف کھلے کر سید کا آغاز ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ کشمیر، کراچی اور گوادری کی جانب توجہات مبذول ہوئیں۔ ان میں سے اصل ٹارگٹ خطہ جنت نظیر کشمیر ہے!

(۵) ادھر میرے تجزیے کے مطابق مستقبل کے اس عظیم دجالی فتنے کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اسرائیل کے قیام سے بھی ایک سال قبل خالص معجزانہ طریق پر پاکستان قائم فرما دیا تھا۔ جس نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد کی صورت میں نعرہ تکبیر بھی بلند کر دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ پھر ہم کچھ ”اوروں کی عیاری“ اور کچھ ”اپنوں کی سادگی“ کے باعث اپنی منزل سے منحرف ہو گئے جس کے نتیجے میں اس وقت نہ صرف یہ کہ ہم خود اپنے داخلی انتشار، اقتصادی و معاشی بد حالی اور سماجی توڑ پھوڑ کے نتیجے میں تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں بلکہ کچھ ”عالمی گدھ“ بھی ہمارے شمال و جنوب پر منڈلا رہے ہیں!

(۶) اس پس منظر میں اب سے دو تین سال قبل کشمیر کے مسئلے پر امریکہ کو جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے وہ ہرگز خطرے سے خالی نہیں ہے اور عالمی یہودی استعمار سیکولر کشمیری نیشنلزم کو ابھار کر پورے کشمیر کو اس کے جملہ باج گزار علاقوں سمیت ایک بظاہر آزاد ملک بنا کر ایشیاء کے عین قلب میں چین، بھارت، پاکستان، افغانستان اور ترکستان میں اپنی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنانا چاہتا ہے۔ اس طرح گویا اس صدی کے آخر میں امت مسلمہ کے خلاف وہی ڈرامہ رچایا جا رہا ہے جو اس کے آغاز میں عرب نیشنلزم کو ہوا دے کر سلطنت و خلافت عثمانیہ کا چراغ گل کرنے کی صورت میں کھیلا گیا تھا۔

(۷) اندریں حالات ہمارے لئے صحیح خارجہ حکمت عملی یہ ہے کہ:

(i) اپنی جملہ مساعی کو پاکستان، افغانستان، روسی ترکستان اور ایران پر مشتمل ایک مسلم بلاک کی تشکیل پر مرکوز کر دیں۔

(ii) ایک جانب چین کے ساتھ دوستی اور تعاون کے رشتے کو از سر نو مضبوط کریں..... اور دوسری جانب بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے، تنازعات کو حل کرنے اور تجارتی و موصلاتی تعلقات کو بڑھانے کی جانب فیصلہ کن اقدام کریں۔

(۸) کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ:

(i) اسے امریکہ یا یو این او کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کر دی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں ”سلام“ کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پان دان اٹھالے جانے کی درخواست کی جائے۔

(ii) اس کا حل شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دو طرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از جلد ”کچھ دو“ کچھ لو“ کے اصول پر کر لیا جائے اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے۔

(iii) اسے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:

(۱) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔

(ب) اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنالے — اور

(ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرا لیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ اس کو داخلی خود مختاری تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملے پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے..... اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک

مسئلہ کشمیر

تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کیا جائے

امیر تنظیم اسلامی کے ۴ فروری کے خطاب جمعہ سے ماخوذ

شائع کردہ: ندائے خلافت، ۱۶ تا ۱۰ فروری ۲۰۰۰ء

حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے، مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لدراخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے۔ البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ غلط ہے۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔

اگرچہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان، ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے، لیکن اللہ کا کرم ہو اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنا دی ہے۔ موجودہ صورت حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لدراخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ

قرار دے دیا جائے۔

تاہم مناسب ہو گا کہ اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے۔

در اصل بھارت کی کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنی عوام کے جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکے لہذا یہ معاملہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجودہ تاؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ ویسے بھی بھارت نے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع میں رہتے ہوئے اس مسئلے سے لمبے عرصے تک نبرد آزما رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ ہماری اقتصادی بد حالی کی ایک اہم وجہ مسئلہ کشمیر بھی ہے جس کے باعث ہم بھارت کے ساتھ کم و بیش ہر وقت ایک سرد جنگ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ لہذا یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو سکے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام اور حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا ڈھ نہیں بننے دیا جائے گا۔

مسئلہ کشمیر کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کا مفصل انٹرویو

جو ان کے ایک متنازعہ بیان کی وضاحت کی خاطر

اسلامک نیوز سروس کے نمائندہ خصوصی نے لیا

(شائع شدہ روزنامہ ”تسنیم“ لاہور، ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء)

سوال: ایک ذمہ دار خطیب صاحب نے آپ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ آپ نے کشمیر میں شہید ہونے والوں کی موت کو حرام موت قرار دیا ہے اور انہیں جہنمی کہا ہے۔ کیا واقعتاً ایسا ہے؟

جواب: یہ بات میں نے کبھی نہیں کہی۔ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدہ نہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں، پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا از روئے قرآن جائز نہیں ہے۔ میرے اس قول کو لے کر ایک منطقی بہر پھیر کے ذریعہ سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ جب ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو جو لوگ وہاں لڑ کر مارے جاتے ہیں وہ ضرور حرام موت مرتے ہیں اور جہنمی ہیں۔ پھر اپنے نکالے ہوئے اس نتیجہ کو زبردستی مجھ پر تھوپ دیا گیا کہ یہ میرا قول ہے۔

یہ دراصل تکفیر بازوں کا بہت پرانا حربہ ہے کہ جس شخص کی کہی ہوئی اصل بات پر اگر لوگوں کو اشتعال دلایا جاسکے تو اس میں سے ایک دوسری بات خود نکال کر اس کی طرف منسوب کر دی جائے، درآئحالیکہ اس نے وہ بات نہ کہی ہو۔ مثلاً ایک گروہ کے

نزدیک ایک چیز پر وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اب بڑی آسانی سے اول الذکر گروہ پر یہ الزام تھوپ دیا جاسکتا ہے کہ وہ موخر الذکر گروہ کے تمام لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس طرح کی کھینچ تان سے کام لے کر پہلے بارہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جا چکا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ فتنہ پردازوں کا یہ فن اب تک زندہ ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ میں ایک معاملے میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اور دلائل کے ساتھ اسے ظاہر کرتا ہوں جبکہ دوسرے علماء کچھ اور رائے رکھتے ہیں اور وہ بھی اپنی رائے بیان کر دیتے ہیں۔ اب جسے میری رائے پسند ہو وہ اس پر عمل کرے اور جسے دوسرے علماء کی رائے پر بھروسہ ہو وہ اس پر عمل کر لے۔ کسی کی عاقبت کے متعلق پیشین گوئی کرنا اور کسی کو جنتی اور کسی کو دوزخی بنانا نہ میرا کام ہے اور نہ کسی دوسرے عالم کا۔ یہ تو خدا کا کام ہے۔ وہ اپنے جس بندے کو چاہے جنت میں بھیج دے جسے چاہے دوزخ میں جگہ دے۔ میں کسی مسئلے میں جس حد تک اظہار رائے کر سکتا ہوں، وہ صرف اس قدر ہے کہ ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور اس رائے پر بھی مجھے کبھی اصرار نہیں ہوتا کہ ضرور اسی کو حق مانا جائے۔ اگر کوئی عالم دین دیانت داری کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کرتا ہو اور خود اس پر عمل کرے یا اس کے فتوے پر کوئی دوسرا شخص عمل کر لے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ میں جس چیز کو صحیح سمجھتا ہوں اس پر خود عمل کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی وہی رائے دے سکتا ہوں، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل مجھے مطمئن نہ کر دے اپنی رائے دینا واپس نہیں لے سکتا۔

اجتہادی مسائل میں علماء کا قدیم سے یہی طریقہ رہا ہے اور کبھی کسی ذمہ دار عالم نے اپنی اجتہادی رائے کے متعلق ایسا اصرار نہیں کیا کہ جو لوگ کچھ دوسری رائے رکھتے ہیں ان کے عمل کو باطل قرار دیں اور ان کے دوزخی یا جنتی ہونے کا پیشگی فیصلہ صادر

فرمادیں۔

بحالات موجودہ میرے نزدیک کشمیر میں دو طرح کا ہمارا تعاون درست نہیں۔ ایک اسلحہ فراہم کرنا دوسرے لڑنے کے لئے آدمی بھیجنا، یہ دو قسم کی مدد دینا میں اس وقت تک جائز نہیں سمجھتا جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کسی طرح کے معاہدہ نہ تعلقات نہیں تھے یا اب نہیں رہے۔ ان دو قسم کی اعانتوں کے ماسوا ہم آزاد کشمیر کے لوگوں اور ان کی مدد کرنے والوں کو غلہ، کپڑا، دوائیں، مرہم، پٹی کا سامان، طبی امداد کے لئے ڈاکٹر اور تیمار دار سب کچھ بھیج سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ پاکستان میں آ کر اسلحہ خریدیں تو ان کے ہاتھ وہ بھی فروخت کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں خود جماعت اسلامی بھی خاموشی کے ساتھ کچھ نہ کچھ کر رہی ہے اور یہ چیز اصولاً معاہدہ تعلقات کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اور آپ کی جماعت نے جہاد کشمیر کو کمزور کرنے کے لئے ایک مستقل معرکہ شروع کر رکھا ہے اور اس سے محاذ کشمیر کو مضبوط کرنے کی کوششوں میں خلل آ رہا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شرعاً آپ کے لئے ایسی مہم جاری کرنا لازم ہے؟

جواب: یہ مہم جاری کرنے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے۔ میں نے تو ایک شخص کے اصرار پر ایک پرائیویٹ صحبت میں محض اپنی رائے ظاہر کر دی تھی۔ اس کے بعد اس رائے کو پھیلانے کی پوری مہم ان لوگوں نے خود اپنے ذمہ لے لی جنہیں کشمیر کو بچانے کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی مجھے بدنام کرنے کی فکر ہے۔ ذاتی طور پر میری اور بحیثیت مجموعی جماعت اسلامی کی مستقل پالیسی یہ ہے کہ ہم اپنے اصل مقصد یعنی نظام اسلامی کے قیام کے سوا کسی اور مسئلے کو اپنی جدوجہد کا محور نہیں بناتے۔ دوسرے مسائل اگر پیش آتے ہیں تو ان پر زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے نزدیک جو کچھ حق سمجھتے ہیں

اس کو بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی تبلیغ اور اس کے لئے کوئی جدوجہد نہ میں خود کرتا ہوں، نہ جماعت کے لوگ! میں نے پچھلے چند مہینوں میں متعدد تقریریں کی ہیں جنہیں ہزاروں آدمیوں نے سنا ہے اور کوئی سامع یہ شہادت نہیں دے سکتا کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق میں نے کچھ بھی اظہار رائے کیا ہو۔ صرف لائل پور میں چند الفاظ مجبوراً اس لئے کہے تھے کہ مجمع عام میں مجھ سے سوال کیا گیا اور میں نے جب کہا کہ سائل صاحب نجی صحبت میں مجھ سے آ کر دریافت کر لیں تو اصرار کیا گیا کہ مجمع عام ہی میں جواب دیا جائے۔ جماعت کے دوسرے لوگوں کے متعلق میں نے پوری طرح تحقیق کر لیا ہے کہ انہوں نے بطور خود اس مسئلہ کو کسی کے سامنے چھیڑا ہے، نہ کہیں اس کی تبلیغ کی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے کہ جب ہم نظام اسلامی کی دعوت پیش کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے جاتے ہیں تو فتنہ پسند لوگ جان بوجھ کر اس سوال کو چھیڑتے ہیں، معذرت کی جائے تو اصرار کرتے ہیں اور جب مجبوراً جواب دیا جائے تو الزام عائد کرتے ہیں کہ تم نے اس کے لئے مہم شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ مہم ان لوگوں نے خود شروع کر رکھی ہے جو اخبارات میں اور خطبوں اور تقریروں میں اس سوال کو چھیڑے چلے جا رہے ہیں۔

سوال: یہ بات آپ کے علم میں آچکی ہوگی کہ تقریر و تحریر کے ذریعے عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کوئی معاہدہ نہ تعلقات نہیں؟

جواب: پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بعض باہمی معاملات ایسے ہیں جو ہمیشہ سے حالت جنگ (STATE OF WAR) کے نہ ہونے کی دلیل سمجھے جاتے رہے ہیں اور آج بھی سمجھے جاتے ہیں۔ پھر دونوں حکومتوں کے درمیان مالی اور تجارتی معاملات اور مہاجرین کے مختلف مسائل، اغوا شدہ عورتوں کی بازیافت اور کرنسی کے معاملات کے متعلق مسلسل سمجھوتے ہوتے رہے ہیں اور یہ تمام سمجھوتے اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے درمیان حالت جنگ قائم نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی کسی دوسری

قوم سے مالی اور تجارتی لین دین اس حالت میں نہیں کرتی جبکہ وہ اسے اپنے خلاف برسر جنگ سمجھتی ہو۔ اس کے بعد ابھی اپریل ۱۹۴۸ء میں دونوں حکومتوں کے درمیان کلکتے کا معاہدہ ہوا ہے جس میں اور مسائل پر سمجھوتہ کرنے کے ساتھ اس امر پر بھی سمجھوتہ ہوا تھا کہ دونوں حکومتیں اپنے اپنے ملک کے اخبارات کو ہدایت کریں گی کہ وہ کوئی ایسی بات شائع نہ کریں جس سے یہ معنی نکلتے ہوں کہ ان دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہے یا اعلان جنگ ہونا چاہئے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دونوں حکومتیں باہم مصالحتانہ تعلقات رکھتی ہیں اور انہیں جاری رکھنا چاہتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں اس سمجھوتے کا حوالہ دیتے ہوئے پنڈت نہرو کی معاندانہ تقریروں کے خلاف حکومت پاکستان نے احتجاج کیا ہے کہ یہ تقریریں میثاق کلکتہ کی اسپرٹ کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جونا گڑھ کے معاملہ میں پاکستان کی شکایت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ریاستوں کے متعلق تقسیم کے معاہدے سے ابتداءً جو بات طے ہوئی تھی اس کی رو سے ریاست جونا گڑھ پاکستان میں شرکت کی دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد پاکستان کا ایک حصہ ہو چکی ہے اور اس کی پروا نہ کرتے ہوئے انڈین یونین کے اس پر زبردستی قبضہ کیا ہے۔ آخر انڈین یونین کے اس فعل کو بدعہدی قرار دینے کے اس کے سوا اور کیا معنی ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہ تعلق تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ یہ ساری باتیں بھی اگر کسی کے نزدیک معاہدے کی تعریف میں نہ آتی ہوں تو وہ اپنی رائے کا مختار ہے۔ میں اب تک یہی سمجھتا ہوں کہ دونوں حکومتوں کے درمیان ایسے معاہدہ نہ تعلقات ہیں جن کو قائم رکھتے ہوئے ہم انڈین یونین کے خلاف شرعاً کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”میثاق“ کا اطلاق صرف اس معاہدے پر ہوتا ہے جس میں ہر دو ممالک کی تصریح ہو یا جس میں باہم حلیفانہ تعلق (alliance) کا عہد و پیمان ہو

وہ نہ قرآن سے کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں نہ لغت عرب سے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور انبیاء سے جو اقرار لئے تھے ان کے لئے لفظ ”میثاق“ ہی کو استعمال کیا ہے۔ آخر ان دونوں میں سے کون سا مفہوم ان مواقع پر مراد ہے۔

سوال: خیر اگر دونوں حکومتوں کے درمیان کچھ معاہدہ نہ روابط کے واقع ہونے کو مانا بھی جائے تو یہ تو واضح ہے کہ انڈین یونین کی طرف سے ان کی جو خلاف ورزیاں ہو چکی ہیں۔ ان کے بعد مملکت پاکستان کے باشندوں کو بھی ان کی خلاف ورزی کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے جب قریش مکہ کو صلح حدیبیہ کے بعد عہد شکنی کرتے ہوئے پایا تو معاہدہ نہ تعلقات ہونے کے باوجود مکہ پر چڑھائی کر دی۔ اس مثال کو سامنے رکھنے کے بعد ہماری حکومت کے طرز عمل کے لئے مجھے نہ قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ملی ہے نہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے کوئی شہادت۔ اگر کوئی صاحب ایسی کوئی شہادت رکھتے ہوں تو وہ اس کو پیش فرمائیں۔ میں اپنی رائے واپس لینے کے لئے تیار ہوں۔

یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ معاہدے کرنا اور ان کو معدوم یا ختم شدہ قرار دینا نہ تو اخبارات کا کام ہے نہ انفرادی طور پر لیڈروں کا نہ خطیبوں اور مقررین کا۔ یہ کام صرف حکومتیں ہی کرتی ہیں اور وہی کر سکتی ہیں۔ اگر معاہدہ نہ تعلقات ختم ہو چکے ہیں یا سرے سے تھے ہی نہیں تو یہ حکومت پاکستان کا کام ہے کہ وہ صاف صاف اس بات کو کہے۔ اگر آج حکومت پاکستان سرکاری طور پر اس چیز کا اعلان کر دے تو میں خود اعتراف کر لوں گا کہ اب شرعی پوزیشن وہ نہیں ہے جو میں نے بیان کی تھی اور ہم جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

سوال: معاہدات کو موجود اور برقرار سمجھتے ہوئے یہ بات قابل غور ہے کہ خاص سرزمین کشمیر کے متعلق تو ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔ لہذا اس کے معاملے میں تو پاکستان

آزاد ہے کہ جو چاہے کرے؟

جواب: یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کشمیر کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ تقسیم کے معاہدے میں ریاستوں کے متعلق جو بات طے ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ ریاستوں کو حق ہو گا کہ دونوں مملکتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں شریک ہوں یا آزاد رہیں۔ اس بنیاد پر جونا گڑھ کی پاکستان میں شرکت کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ پاکستان کا ایک حصہ ہو چکا تھا اور انڈین یونین نے اس پر زبردستی قبضہ کیا۔ اسی بنیاد پر جب ہم حیدرآباد کے حق آزادی کی حمایت کر رہے ہیں۔ اب کشمیر کے معاملے میں ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ہے۔ ہمیں یہ دعویٰ کرنے کا حق ضرور ہے کہ کشمیر کے باشندوں کی مرضی کے خلاف والی ریاست نے مستبدانہ طریق سے انڈین یونین میں شرکت کی ہے اور ہم ایسی شرکت کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اس دعویٰ کے معاملہ میں ہمارے لئے دو ہی طریق کار ہو سکتے ہیں۔ یا تو ہم مصالحانہ طریق سے باشندگان کشمیر کے اس حق کو تسلیم کرائیں اور یا کھلم کھلا اپنی فوجیں کشمیر میں اسی طرح اتار دیں جس طرح انڈین یونین نے جونا گڑھ میں اتاری تھیں۔ ان دونوں سیدھی راہوں کے درمیان کوئی تیسری راہ دیانت اور سچائی کی راہ نہیں ہے بلکہ مغربی طرز کی غیر اخلاقی راہ ہے۔ آپ اس راہ پر چلنا چاہیں تو چلئے مگر اسلام کو اپنے ساتھ گھیننے کی کوشش نہ فرمائیے۔

سوال: مگر ایک اور بات بھی تو فیصلہ طلب ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کی طرف سے جس حکومت نے انڈین یونین سے سمجھوتے کئے ہیں وہ ایک غیر شرعی حکومت ہے اور مسلمان ایک غیر شرعی حکومت کے طے کئے ہوئے سمجھوتوں کے پابند ہی کب ہیں؟

جواب: پاکستان کی حکومت خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی بہر حال وہ سب مسلمانوں کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے گورنر

جنرل کو کم از کم ۹۵ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ ایسی حکومت جو بھی کام کرتی ہے وہ قوم کی طرف سے کرتی ہے اور اس کے اعمال کے لئے پوری قوم خدا اور خلق دونوں کے سامنے ذمہ دار ہے۔ اسی بنا پر تو میں کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ہاتھوں یہاں ایک غیر شرعی حکومت قائم ہو اور چلتی رہے تو پوری قوم خدا کے ہاں جواب دہ ہوگی۔ اور اسی بنا پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ دوسری قوموں کے ساتھ جو معاہدات پاکستان کی حکومت طے کرتی ہے ان کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے پاکستان کے باشندے آزاد نہیں ہو سکتے۔

طالبات کے لئے ایف اے اور بی اے کی تعلیم کا جدید ادارہ

طوبی گورنرز کالج لاہور

بہترین محل وقوع
 تجربہ کار اور کوالیفائڈ ٹیچنگ سٹاف
 جملہ تدریسی آلات سے مزین
 ماڈرن کمپیوٹریز اور کمپیوٹر کی لازم تعلیم بلا اضافی فیس
 اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
 کشادہ لائبریری ہال
 باپردہ اور پاکیزہ ماحول
 خوبصورت اور کشادہ عمارت
 تفریح کے لئے ان ڈور اور آؤٹ ڈور کھیلوں کی سہولت اور صاف ستھری کینٹین

ایف اے سال
 اول / دوم میں داخلے
 جاری ہیں

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام طوبی گورنرز کالج کا قیام فروغ تعلیم اور کردار سازی کو ایک مقدس مشن سمجھتے ہوئے عمل میں لایا گیا ہے۔ طوبی گورنرز کالج میں اسلامی نقطہ نگاہ سے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ جنہیں آنے والی نسل کی تربیت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

طوبی گورنرز کالج لاہور 78 سیکڑاے ون۔ ٹاؤن شپ لاہور
 فون: 5114581
 e-mail: toobacollege@ hotmail.com

مزید معلومات کے لئے کاغذ
 کاہر ایکٹس مائل کریں